محبتِ رسول ﷺ کے تقاضے
اور
نصرتِ دین

ڈاکٹر حسن محیُ الدّین قادری

محبتِ رسول ﷺ کے تقاضے

اور

نصرتِ دین

محبتِ رسول ﷺ کے تقاضے

اور

نصرتِ دین

ڈاکٹر حسن محیُ الدّین قادری

جملہ حقوق محفوظ ہیں۔

تالیف: ڈاکٹر حسن محی الدین قادری

ترتیب و تخریج : جلیل اَحمد ہاشمی، حافظ فرحان ثنائی

زیرِ اِہتمام : فریدِ ملّت رِیسرچ اِنسٹی ٹیوٹ -Research.com.pk

مطبع : منہاج القرآن پرنٹرز، لاہور

اِشاعت نمبر 1 : جون 2017ء [1,100 - پاکستان]

قیمت :

twitter.com/DrHassanQadri

facebook.com/DrHassanQadri

بسم الله الرحمن الرحيم

مولاي صل وسلم دائماً أبداً

على حبيبك خير الخلق كلهم

محمد سيد الكونين والثقلين

والفريقين من عرب ومن عجم

اللهم صل على سيدنا ومولانا محمد وعلى آله وصحبه وبارك وسلم

فہرس

پیش لفظ 11

باب نمبر 1

محبتِ مصطفیٰ ﷺ اصلِ ایمان ہے 13

۱۔ قلبِ مومن سکون و اطمینان کا مسکن ہے 15

۲۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عشقِ رسول ﷺ 16

۳۔ تحویلِ قبلہ اور وارفتگی صحابہ رضی اللہ عنہم 19

۴۔ زیارتِ مصطفیٰ ﷺ سے حلاوت و سیرابی 21

۵۔ صلحِ حدیبیہ کے وقت نزولِ تسکین 22

۶۔ اِحترامِ مصطفیٰ ﷺ جیسا ادب کسی اور کو نصیب نہیں 25

۷۔ بیعتِ رضوان عطائے الٰہی کا ایک عظیم انعام ہے 26

۸۔ غارِ ثور میں نزولِ تسکین 30

سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا مقام فنائیت 33

۹۔ غزوۂ حنین اور نزولِ سکینہ 33

۱۰۔ فنائیت میں سکون کی نعمت کا ملنا 34
۱۱۔ بنی اسرائیل کے لیے تابوتِ سکینہ کا نزول؛ اُمتِ محمدیہ کے لیے کیا؟ 35
۱۲۔ امتِ مسلمہ کے زوال کی بنیادی وجہ 39
۱۳۔ اعمالِ صالحہ عشقِ مصطفیٰ ﷺ کا مظہر ہیں 40
۱۴۔ حضور ﷺ کی حضوری ہی دلوں کا اطمینان ہے 44

باب نمبر 2

حسنِ سراپا رسول ﷺ سے محبت 47

۱۔ ایمان کا مرکز و محور 50
۲۔ حضور ﷺ سے تعلق کی جہات 51
۳۔ سراپائے رسول ﷺ کا دل کش جمال 54
۴۔ اِطاعتِ مصطفیٰ ﷺ 59
۵۔ پوری کائنات فکرِ مصطفیٰ ﷺ کے دائرۂ رحمت میں 61
۶۔ علمِ مصطفیٰ ﷺ 62
۷۔ رسولِ مکرم ﷺ کی کثیر اللسانی دسترس 65
۸۔ حلمِ مصطفیٰ ﷺ 68
۹۔ صدقِ مصطفیٰ ﷺ 70

۱۰۔ پیغام 72

باب نمبر 3

حضوریِ رسالت بطریقِ اِتباع 73

۱۔ حضور ﷺ سے تعلقِ ظاہری وصوری 75

(۱) اِتباعِ رسالت 78

(۲) کمالِ اِتباعِ رسالت 78

(۳) اِتباعِ رسالت پر مداومت 79

(۴) کمال اتباعِ رسالت میں استقامت 80

۲۔ حضور ﷺ سے تعلقِ باطنی ومعنوی 82

(۱) مرحلہ محبتِ مصطفیٰ ﷺ 83

(۲) مرحلہ تعظیمِ رسالت 84

(۳) مرحلہ اِتصالِ حقیقتِ محمدی 84

باب نمبر 4

فلاحِ اُمت کا چار جہتی نصاب

﴿آیت الاعراف کی روشنی میں﴾ 91

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی شانِ شاہدیت 95

۲۔ ایمان بالرسالت 99

۳۔ تعزیر و توقیرِ مصطفیٰ ﷺ 101

(۱) لفظ تَعۡزِیر کا لغوی اشتقاق اور مفہوم 101

(۲) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعزیرِ مصطفیٰ ﷺ کے چند مظاہر 103

(۳) لفظ تَوۡقِیر کا لغوی اشتقاق اور مفہوم 105

(۴) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی توقیرِ مصطفیٰ ﷺ کے چند مظاہر 106

۴۔ نصرتِ دین کا فریضہ 111

۵۔ نصرتِ دین کے لیے تمسک بالقرآن وقت کی اَہم ضرورت ہے 113

۶۔ حاصلِ کلام 119

مصادِر و مراجع 121

پیش لفظ

اللہ تبارک و تعالیٰ نے کائنات کے وجود میں آنے سے پہلے، تمام روحوں سے اپنے خالق و مالک اور رب ہونے کا عہد لے کر یہ امر واضح فرما دیا تھا کہ میں ہی تمہارا مالک و معبود اور حاکمِ مطلق ہوں۔ میرے سوا کوئی اور اطاعت، بندگی اور پرستش کے لائق نہیں ہے۔ یاد رہے کہ میں تمہیں جس دنیا میں بھیجوں گا یہ تمام انسانوں کے لیے ایک امتحان گاہ ہوگی۔ ہر ذی روح اپنا مقررہ وقت گزار کر واپس میری بارگاہ میں حاضر ہوگا۔ روزِ محشر ہر شخص کے دنیا میں کیے گئے افعال و اعمال کی جانچ پڑتال کے بعد فیصلہ ہوگا کہ کون اس امتحان میں سرخرو ہوا ہے اور کون ناکام و نامراد ٹھہرا ہے۔ پھر اسی تجزیے کے نتیجے میں جزا یعنی جنت اور سزا یعنی دوزخ کا فیصلہ صادر ہوگا۔

اللہ ربّ العزت نے اپنے بندوں کو مقامِ ربوبیت بتانے اور انسانیت کے بہترین طریقے سکھانے کے لیے اپنے انبیاء و رسل عظام علیہم السلام کو بھیجا۔ اس عظیم سلسلے کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام سے ہوا۔ اللہ رب العزت کی جانب سے مبعوث کیے گئے پیغمبر مختلف اقوام میں مبعوث ہوتے رہے۔ واضح رہے کہ ان سب کا ایک ہی دین 'اسلام' تھا۔ تمام پیغمبروں علیہم السلام نے اپنے اس مقصدِ بعثت کو بخوبی پورا کیا، مگر رفتہ رفتہ لوگ حق کے اجالوں سے منحرف ہو کر ظلمتوں کے مسافر بنتے چلے گئے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ انسانی، غیر انسانی، مادی و غیر مادی اشیا اور مظاہرِ فطرت کو شریک ٹھہرا لیا۔ اس طرح وہ اپنے رب کی ربوبیت سے باغی ہو گئے۔

جہالت اور گم راہی کی انتہا اس وقت ہوئی جب انسان نے اپنے اعمال میں وحشی درندوں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔ اس تاریک رات میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسانیت پر عظیم کرم فرماتے ہوئے اپنے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے آفتابِ رسالت کو خطۂ عرب سے طلوع فرمایا۔ واضح رہے کہ یہ خورشیدِ نبوت قیامت کے دن تک چار دانگ تابانیاں بکھیرتا رہے گا۔ اب

اُفقِ رسالت پر کسی اور سورج کے طلوع ہونے کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔ آپ ﷺ قیامت تک ساری خلق کے لیے مبعوث فرمائے گئے ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ جب جزیرہ نما عرب میں مبعوث ہوئے تو دنیا کی ہر برائی یہاں فراوانی سے موجود تھی۔ یہاں قدم قدم پر انسانیت کی تذلیل کی جاتی اور اپنی ہی بیٹیوں کو زندہ درگور کردیا جاتا تھا۔ حد یہ کہ بیت اللہ ہی میں 360 سے زائد بتوں کی پرستش کی جاتی اور ان پر چڑھاوے چڑھائے جاتے تھے۔

رسولِ مکرم ﷺ کے اعلانِ نبوت کے ساتھ ہی مخالفت کا ایک طوفان بپا ہوگیا۔ ان حالات میں کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ جہالت، بداخلاقی، بدکرداری، شرک اور بت پرستی کی ہولناک تاریکیوں میں گم قوم کی اتنے قلیل عرصے میں کایا پلٹ جائے گی۔ حضور نبی اکرم رحمۃ للعالمین ﷺ کے ہاتھوں رونما ہونے والے عظیم الشان انقلاب کے سبب وہ قوم دنیا کی امامت کے فرائض سرانجام دے گی۔ ساری دنیا کے محقق اور دانش ور آج تک انسانیت کے اس سب سے بڑے معجزے کے رونما ہونے پر انگشت بدنداں ہیں۔ آپ ﷺ کی زندگی اس قدر ہمہ گیر ہے کہ محققین کے قلم آپ ﷺ کی صفاتِ عظیمہ لکھ لکھ کر ختم ہوگئے، لیکن کوئی بھی آپ ﷺ کی سیرتِ مطہرہ کی کتاب کا ایک ورق لکھنے کا بھی حق ادا نہیں کرسکا۔

راقم نے مختلف مواقع پر اپنے خطابات میں حضور نبی اکرم ﷺ سے اُمتیوں کے تعلق کی چند اہم جہتوں پر اظہارِ خیال کیا تھا، ان خطبات کو احاطۂ تحریر میں لانے کا مقصد بالخصوص تحریک منہاج القرآن کے رفقاء، کارکنان اور بالعموم جمیع اُمتِ مسلمہ کی اصلاح کے ساتھ ان کے دلوں میں جذبہ حبِ نبوی کو موجزن کرنا ہے۔ یہی وہ خطہ ہے جہاں سے سرورِ عالم ﷺ کو محبت کی ٹھنڈی ہوا آتی اور ان کی طبیعتِ مقدسہ باغ باغ ہو جاتی تھی۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہمیں عشق مصطفیٰ ﷺ سے سرشار ہو کر خدمت دین کا فریضہ ادا کرنے کی کما حقہٗ توفیق عطا فرمائے۔ (آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ)

حسن محی الدین قادری

١٧ رمضان ١٤٣٨ھ

باب نمبر 1

محبتِ مصطفی ﷺ اَصلِ اِیمان ہے

اللہ تبارک و تعالیٰ کا کروڑ ہا شکر ہے کہ اُس نے ہمیں نبی آخر الزمان حضور نبی اکرم ﷺ کی امت میں پیدا فرمایا۔ پھر احسان بالائے احسان یہ فرمایا کہ ہماری نسبت حضور نبی اکرم ﷺ سے عشق رکھنے والوں سے سے جوڑ دی۔ ورنہ کتنے لوگ ہیں جو مسلمان کہلوانے کے دعوے دار تو ہیں لیکن ان کے دلوں کے ظروف الفتِ نبی ﷺ کی کیفیات سے خالی ہیں۔ اگر کسی کو حضور نبی اکرم ﷺ، اہلِ بیتِ اطہار علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کی توفیق نصیب ہوئی ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی اس نعمتِ عظمیٰ کا دل سے شکر ادا کرنا چاہیے۔ ایسا خوش بخت انسان ہمیشہ اس حقیقت کو پیشِ نظر رکھے کہ ایک گناہ گار کا دل بھلا اس قابل کہاں تھا کہ اس میں محبوبِ کبریا ﷺ کی محبت در آتی۔

این سعادت بزورِ بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

۱۔ قلبِ مومن سکون و اطمینان کا مسکن ہے

یہ سب اس مالک کی کرم نوازی ہے جو اپنے بندوں پر بے حد مہربان اور نہایت رحم فرمانے والا ہے۔ وہی پاک ذات ہے جس نے مومنوں کے دلوں میں محبت اطمینان، سکون اور رحمت کو نازل فرمایا۔

قرآن مجید میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِيٓ اَنۡزَلَ السَّكِيۡنَةَ فِيۡ قُلُوۡبِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ لِيَزۡدَادُوۡٓا اِيۡمَانًا مَّعَ

اِيْمَانِهِمْ. (۱)

وہی ہے جس نے مومنوں کے دلوں میں تسکین نازل فرمائی تاکہ ان کے ایمان پر مزید ایمان کا اضافہ ہو۔

یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ہے جو مومنین کے قلوب پر سکون کا نزول فرماتی ہے؛ یعنی بارگاہِ ربانی سے اطمینان کا نزول عام انسانوں کے قلوب میں نہیں بلکہ صرف مومنوں کے دلوں پر ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے نزول کے لئے سب سے پہلے قلوب کا انتخاب کرتا ہے، ورنہ یہ نعمت ہر دل کے مقدر میں بھلا کہاں ہوتی ہے! رب العزت فرماتا ہے کہ میں سکونِ قلب اس لیے اتارتا ہوں تاکہ وہ اُن کے اُس ایمان میں مزید اضافے کا باعث بن جائے جو پہلے سے انہیں عطا کر رکھا ہے۔ اس سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ اللہ رب العزت یہ سکونِ قلب صرف انہی کو عطا فرماتا ہے جو پہلے سے مومن اور ایمان یافتہ ہیں۔ تاکہ یہ سکون اُن کے ایمان میں مزید زیادتی کا سبب بن جائے۔ اب ہم یہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ایک شخص ایمان والا بنتا کیسے ہے؟ پھر بھلا وہ کون سی شے ہے، جس نے اُسے مومن کے مقام پر پہنچا دیا۔

۲۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عشقِ رسول ﷺ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ. (۲)

---

(۱) الفتح، ۴۸: ۴

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الإیمان، باب حُبّ الرَّسُوْلِ ﷺ مِنَ الإِيْمَانِ، ۱: ۱۴، رقم: ۱۵

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الإیمان، باب وجوب محبّة رسول الله ﷺ أکثر من الأهل والولد والوالد والناس أجمعین، ۱: ۶۷، رقم: ۴۴

تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اسے اُس کے والد (یعنی والدین)، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

اس حدیث مبارک میں حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک معیار مقرر فرما دیا ہے کہ کوئی شخص بھی اُس وقت تک ایمان والا ہو ہی نہیں سکتا جب تک وہ سب سے بڑھ کر مجھ سے محبت نہ کرے۔ یعنی جب تک وہ اپنے والدین، اپنی اولاد، اپنے مال اور اپنی جان غرضیکہ کائنات کی ہر شے سے بڑھ کر، حضور ﷺ سے محبت نہیں کرتا، تب تک وہ مومن نہیں ہو سکتا۔

اسی امر کی مزید اہمیت دوسری حدیث سے بھی سامنے آتی ہے۔ ابو عقیل زُہرہ بن معبد نے اپنے جد امجد حضرت عبد اللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ کے ہم راہ تھے اور آپ ﷺ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ہاتھ تھاما ہوا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عرض گزار ہوئے کہ یا رسول اللہ! آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں، سوائے اپنی جان کے۔ اس پر حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَا، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْكَ مِنْ نَفْسِكَ.

نہیں! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے جب تک میں تمہیں اپنی جان سے بھی محبوب نہ ہو جاؤں ایمان مکمل نہیں ہوتا۔

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ عرض گزار ہوئے:

فَإِنَّهُ الْآنَ وَاللهِ لَأَنْتَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ نَفْسِي.

اللہ کی قسم! اب آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔

چنانچہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اَلْآنَ يَا عُمَرُ. (1)

---

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الأَيْمَانِ وَالنُّذُوْرِ، باب كَيْفَ كَانَتْ يَمِيْنُ النَّبِيِّ ﷺ، ۶: ۲۴۴۵، رقم: ۶۲۵۷

اے عمر! اب بات بنی ہے۔

اس سے ایک چیز تو واضح ہوگئی کہ جب تک صحابہ کرام حضور ﷺ سے اپنی جانوں، اپنے مال و اولاد، عزت و آبرو، والدین اور اپنی جان سے بڑھ کر محبت نہیں کرتے تھے تو وہ اپنے ایمان کو مکمل ہی نہیں سمجھتے تھے۔ وہ آپ ﷺ کے فرمان پر جانیں نثار کر دیتے تھے۔ انہیں جب ہجرت کا حکم ملا تو اپنا گھر بار، مال و دولت، والدین اور سب رشتے ناتے چھوڑ کر مدینہ منورہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ اب ان کے لیے مدینہ منورہ دیارِ غیر تھا، وہاں ان کا نہ کوئی کاروبار تھا، نہ رشتہ دار اور نہ ہی کوئی جان پہچان تھی۔ وہ وہاں ہمہ وقت دن ہو یا رات حضور ﷺ کے حکم کے منتظر رہتے تھے۔ بعد ازاں یہ وہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے، جنہوں نے مختلف غزوات میں حضور ﷺ کی خاطر ہنس ہنس کر اپنی جانوں کے نذرانے پیش کئے یہ وہی تھے جو حضور ﷺ کی خاطر انتہائی نامساعد حالات میں بھی پوری جانفشانی سے پیٹ پر پتھر باندھ کر خندق کھود رہے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے عمل کے ذریعے سے ثابت کر دیا کہ وہ جان و مال، اعزا و اقارب اور ہر شے سے بڑھ کر حضور ﷺ کو اولیت دیتے ہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ اُحد کے دن اہل مدینہ سخت تنگی و پریشانی میں مبتلا ہو گئے کیوں کہ اُنہوں نے غلط فہمی اور منافقین کی افواہیں سن کر کہا کہ محمد مصطفیٰ ﷺ کو شہید کر دیا گیا ہے، یہاں تک کہ مدینہ منورہ میں چیخ و پکار کرنے والی عورتوں کی کثیر تعداد جمع ہوگئی۔ انصار کی ایک عورت کمر پر کپڑا باندھے ہوئے غم سے نڈھال باہر نکلی اور اپنے بیٹے، باپ، خاوند اور بھائی کی لاشوں کے پاس سے گزری۔ راوی کہتے ہیں: مجھے معلوم نہیں کہ اس نے سب سے پہلے کس کی لاش دیکھی۔ جب وہ اُن میں سے سب سے آخری لاش کے پاس سے گزری تو پوچھنے لگی: یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا: تمہارا باپ، بھائی، خاوند اور تمہارا بیٹا ہے جو کہ شہید ہو چکے ہیں۔ وہ کہنے لگی:

مَا فَعَلَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ؟

(مجھے صرف یہ بتاؤ کہ) رسول اللہ ﷺ کس حال میں ہیں؟

لوگ کہنے لگے:

أَمَامَکِ.

آپ ﷺ تمہارے سامنے موجود ہیں۔

یہاں تک کہ اُس عورت کو رسول اللہ ﷺ تک پہنچا دیا گیا۔ اُس عورت نے (شدتِ جذبات سے) آپ ﷺ کے کرتہ مبارک کا پلو پکڑ لیا اور عرض کیا:

بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي، يَا رَسُوْلَ اللهِ، لَا أُبَالِي إِذْ سَلِمْتَ مِنْ عَطَبٍ.[1]

یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، جب آپ سلامت ہیں تو مجھے اور کوئی دکھ نہیں (یعنی یا رسول اللہ! آپ پر میرا باپ، بھائی، خاوند اور بیٹا سب کچھ قربان ہیں)۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم محبوبِ خدا ﷺ سے والہانہ محبت کرتے تھے اور اسی محبت کا کرشمہ تھا کہ نہ انہیں اپنی جان کی پروا تھی، نہ مال و اولاد کی۔ وہ دنیا کی ہر چیز سے بڑھ کر اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کو عزیز جانتے تھے۔ انہوں نے جس والہانہ عشق و محبت کا مظاہرہ کیا انسانی تاریخ آج تک اس کی نظیر پیش کر سکی اور نہ قیامت تک اس بے مثال محبت کے مظاہر دیکھنے ممکن ہوں گے۔

۳۔ تحویلِ قبلہ اور وارفتگیِ صحابہ رضی اللہ عنہم

تحویلِ قبلہ بلا شبہ خود قرآن مجید کے الفاظ میں بڑا مشکل مرحلہ تھا مگر جنہیں اللہ رب العزت نے محبتِ خاص سے نوازا تھا، وہی اس موقع پر سرخرو اور کامیاب ہوئے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

---

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۷: ۲۸۰، رقم: ۷۴۹۹
۲۔ أبو نعیم، حلیة الأولیاء، ۲: ۷۱-۷۲، ۳۳۲
۳۔ قاضی عیاض، الشفا: ۴۹۷، رقم: ۱۲۱۵

وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللهُ ط وَمَا كَانَ اللهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ط اِنَّ اللهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ○[۱]

اور بے شک یہ (قبلہ کا بدلنا) بڑی بھاری بات تھی مگر ان پر نہیں جنہیں اللہ نے ہدایت (و معرفت) سے نوازا، اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ تمہارا ایمان (یونہی) ضائع کردے، بے شک اللہ لوگوں پر بڑی شفقت فرمانے والا مہربان ہے○

جب مسجد قبلتین میں قبلہ بدلنے کا حکم آیا تو ارشاد ہوا:

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ج فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ط وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ.[۲]

(اے حبیب!) ہم بار بار آپ کے رُخِ انور کا آسمان کی طرف پلٹنا دیکھ رہے ہیں، سو ہم ضرور بالضرور آپ کو اسی قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس پر آپ راضی ہیں، پس آپ اپنا رخ ابھی مسجدِ حرام کی طرف پھیر لیجیے، اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں بھی ہو پس اپنے چہرے اسی کی طرف پھیر لو

جاں نثارانِ مصطفیٰ کا آپ ﷺ سے محبت کا کیا عالم تھا کہ اس بات کا اندازہ ایسے لگایا جاسکتا ہے کہ وحی کے واضح احکام کی سماعت سے قبل ہی دورانِ نماز اس وقت کے قبلہ کو چھوڑ کر حضور نبی اکرم ﷺ کی اقتداء میں اپنے رخ بیت المقدس (جو اس وقت قبلہ تھا) سے کعبہ کی جانب موڑ لئے۔ اس وقت ان کی عقل نے کہا تو ضرور ہوگا کہ جب تک ظاہری حکم نہ سنیں پہلے قبلہ پر ہی اکتفا کریں جبکہ عشق نے کہا ہوگا کہ چہرہ مصطفیٰ ﷺ جس طرح مڑ گیا ہمارا قبلہ بھی وہی ہے اور ہمارا کعبہ بھی وہی ہے۔ ہم تو اللہ اور اس کے دین کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے۔

---

(۱) البقرة، ۲: ۱۴۳

(۲) البقرة، ۲: ۱۴۴

ہمیں تو نہ کعبے کا علم تھا اور نہ ہی کعبے والے سے شناسائی تھی۔ ہمیں نہ تو نمازوں کا علم تھا اور نہ ہی زکوٰۃ، حج اور نہ ہی صدقات کے بارے میں کوئی آگاہی تھی۔

آپ ﷺ نے نماز کے متعلق ارشاد فرمایا:

صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِي أُصَلِّي.(۱)

جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھو تم بھی ویسے پڑھو۔

پھر حج کے موقع پر حضور ﷺ صحابہ سے فرماتے رہے:

خُذُوْا مَنَاسِكَكُمْ.(۲)

تم مجھ سے حج کے مناسک سیکھ لو۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہیں جانتے تھے کہ مناسکِ حج کیسے ادا کرنے ہیں اور مزدلفہ اور منیٰ میں کیسے جانا ہے؟ فرما دیا: جیسے مجھے کرتے دیکھو ویسے ہی تم ادا کرو۔ الغرض یہ وہی مقدس نفوس تھے کہ جو اپنا سب کچھ قربان کر کے بھی چہرۂ مصطفیٰ ﷺ کو تکتے رہتے تھے۔ اب انہوں نے حضور ﷺ کو کعبہ کی طرف رُخ کرتے ہوئے دیکھا تو آپ ﷺ کی اقتدا میں فوراً متردّد ہوئے بغیر اپنے چہرے بیت المقدس سے ہٹا کر کعبہ کی طرف موڑ دیے۔

۴۔ زیارتِ مصطفیٰ ﷺ سے حلاوت و سیرابی

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حضور نبی اکرم ﷺ سے محبت کا عالم یہ تھا کہ مسلسل فاقوں سے جب

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب الأذان، باب الأذان للمسافر إذا كانوا جماعة والإقامة، ۱: ۲۲۶، رقم: ۶۰۵

۲۔ ابن حبان، الصحيح، ۴: ۵۴۱، رقم: ۱۶۵۸

(۲) ۱۔ احمد بن حنبل، المسند، ۳: ۳۱۸، رقم: ۱۴۴۵۹

۲۔ نسائی، السنن، كتاب مناسك الحج، باب الركوب إلى الجمار واستظلال المحرم، ۵: ۲۷۰، رقم: ۳۰۶۲

طبیعت اَز حد نڈھال ہو جاتی تو آپ ﷺ کی زیارت کا شوق لئے آپ ﷺ کے درِ اقدس پر جمع ہو جاتے۔ رسولِ مکرم ﷺ کا رشکِ مہتاب چہرۂ مبارک دیکھ کر انہیں سرمدی حلاوت اور سکون نصیب ہوتا تھا۔

ایک روز سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ گھر میں فاقے سے تھے، جب انہیں بھوک نے بہت زیادہ ستایا تو وہ اپنے گھر سے نکل پڑے، دوسری طرف حضرت عمر فاروق کی بھی یہی کیفیت تھی۔ اُدھر حضور ﷺ بھی اپنے درِ دولت سے باہر تشریف لائے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے جب اپنے صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کو وہاں پایا تو پوچھنے لگے اے میرے صحابیو! تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ دونوں حضرات نے ارشاد فرمایا: یا رسول اللہ! ﷺ بھوک ہمیں تنگ کر رہی تھی لہٰذا ہم بھوک کی کیفیت سے نجات پانے کے لیے آپ ﷺ کی زیارت کے لئے حاضر ہوگئے،[1] کیونکہ انہیں بخوبی علم تھا کہ ان کی بھوک کا کیا علاج ہے وہ جب چہرۂ مصطفیٰ ﷺ کا نظارہ کر لیتے تو پھر اس کے بعد کسی چیز کی قطعاً کوئی ضرورت نہ محسوس ہوتی تھی۔[1]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جلوۂ جاناں کی تابانیاں ہر شے سے بے نیاز کر دیا کرتی تھیں۔ پھر انہیں نہ تو اُنہیں پیاس کی طلب ہوتی تھی اور نہ ہی بھوک کی، انہیں نہ تو گرمی کی حدت تنگ کیا کرتی تھی اور نہ ہی سردی انہیں ٹھٹھراتی تھی، نہ انہیں کسی شے کا غم ہوتا اور نہ ہی کسی قسم کی کوئی پریشانی انہیں لاحق ہوتی تھی۔ پیکرِ حسن و جمال ﷺ کی تابانیاں ان پر ایسی بے خودی کی کیفیات طاری کرتی تھیں کہ انہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے علاوہ کچھ اور سجھائی ہی نہیں دیتا تھا۔

۵۔ صلحِ حدیبیہ کے وقت نزولِ تسکین

آقا ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو چھٹی ہجری میں بشارت دی کہ میں نے خواب میں

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب الزهد، باب ما جاء فی معیشة أصحاب النبی ﷺ، ۴: ۵۸۴، رقم: ۲۳۶۹
۲۔ حاکم، المستدرک، ۴: ۱۴۵، رقم: ۷۱۷۸
۳۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۹: ۲۵۶، رقم: ۵۷۰

دیکھا ہے کہ تم احرام زیبِ تن کیے ہوئے کعبے کا طواف کر رہے ہو۔ حضور ﷺ کے اس فرمان کو سن کر سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خوشی خوشی عمرے کی نیت باندھے، احرام میں ملبوس اور قربانی کے جانور ساتھ لیے مکہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ آپ ﷺ کا یہ کاروان جب حدیبیہ کے مقام پر پہنچا تو مشرکینِ مکہ کا وفد آ کر کہنے لگا کہ ہم آپ ﷺ کو مکہ مکرمہ میں داخلے کی اجازت نہیں دیں گے۔ ان سے طویل مذاکرات کے بعد صلح حدیبیہ طے پایا، جس کی رو سے مسلمان اس سال عمرہ نہیں کر سکیں گے بلکہ اگلے سال عمرہ کی غرض سے مکہ مکرمہ میں داخل ہو سکیں گے۔

صلح حدیبیہ طے پا جانے کے بعد آپ ﷺ فرماتے ہیں: اے میرے صحابیو! یہیں پر احرام کھول دو، اپنے جانور یہیں ذبح کر دو، کیونکہ مدینہ واپس جانے کا وقت آ گیا ہے۔ ایک طرف عقل کہتی ہے کہ اتنا سفر کر کے آئے ہیں، احرام بھی باندھے ہوئے ہیں اور قربانیوں کے جانور بھی ہم راہ ہیں، ان حالات میں کیسے ممکن ہے کہ واپس چلے جائیں؟ اُدھر حکم مصطفیٰ ﷺ ہے: جن کی وجہ سے کعبہ تمہارا قبلہ بنا آج وہی محبوب فرما رہے ہیں کہ چلو واپس چلتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اگرچہ اُس وقت بشری تقاضے کے سبب کچھ تذبذب کے اثرات بھی نمایاں ہوئے، مگر وہ اطاعتِ مصطفیٰ ﷺ کے عزم پر مضبوطی سے ثابت قدم رہے۔

اُس وقت اللہ رب العزت اپنے محبوب کے صحابہ کو دیکھ رہا تھا، کیونکہ ایمان کی تکمیل تو اسی وقت ہوگی جب ہر شے سے بڑھ کر حضور نبی اکرم ﷺ سے محبت کریں گے۔

سورۃ نساء میں فرمایا گیا:

فَلَا وَرَبِّکَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ.[1]

پس (اے حبیب!) آپ کے رب کی قسم یہ لوگ مسلمان نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ وہ اپنے درمیان واقع ہونے والے ہر اختلاف میں آپ کو حاکم بنالیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بخوبی سمجھتے تھے کہ حضور ﷺ کا حکم دراصل اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ اللہ رب العزت اس مقام پر ان کے دلوں کا بخوبی مشاہدہ کر رہا تھا کہ جب احرام تو کھول رہے ہیں،

(۱) النساء، ۴: ۶۵

جانور ذبح کر رہے ہیں، حلق کروا رہے ہیں، طواف کیے بغیر شہر مدینہ کی طرف واپس جا رہے ہیں تو کہیں ان کے دلوں میں کوئی رنج و ملال تو نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب دیکھ لیا کہ ان کے آئینے کی طرح اجلے اور نکھرے ہوئے ہیں اور وہ محبت مصطفیٰ ﷺ میں فنا ہیں تو اُسی وقت یہ آیت نازل فرما دی:

اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِيْنًا○[1]

(اے حبیبِ مکرم!) بے شک ہم نے آپ کے لیے (اسلام کی) روشن فتح (اور غلبہ) کا فیصلہ فرما دیا۔ (اس لیے کہ آپ کی عظیم جدّوجہد کامیابی کے ساتھ مکمل ہوجائے)○

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے لمحات مومنین کے لیے بڑی کٹھن آزمائش تھے۔ وہ حدیبیہ کے معاہدے کے حقیقی نتائج (جو ابھی پردۂ غیب میں تھے) سے ناآشنا تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیت اللہ کی زیارت کی تیاری بڑے ذوق شوق سے کر کے آئے تھے۔ مومنین کی ان متذبذب کیفیات کو سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا عرض کرتی ہیں کہ یا رسول اللہ! یہ گھڑی بڑی مشکل ہے ان پر بڑا بوجھ ہوگا۔ یہ لوگ بڑی تیاری کے ساتھ دل میں کعبۃ اللہ کی زیارت کی امید لے کر آئے ہیں۔ اس موقع پر ان کے ارمانوں کا خون ہوا ہے، اس لحاظ سے ان کا متذبذب ہونا فطری بات ہے۔ یا رسول اللہ! آپ ﷺ جب ایک عمل کو آپ اپنی سنت بنا دیں گے تو ان سب کے لیے اتباع واجب ہو جائے گی۔ چنانچہ جب حضور ﷺ نے خود اپنا احرام کھول دیا تو اُن پر بھی واجب ہو گیا کہ وہ بھی احرام کھول دیں۔

اب اللہ رب العزت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بخوبی دیکھ رہا ہے کہ یہ کہیں مجبوری سے میرے مصطفیٰ ﷺ کی اطاعت تو نہیں کر رہے۔ ربِ دو جہاں کی نگاہ یقیناً احرام کھولتے وقت مؤمنین کے قلوب کی کیفیات پر ہوگی۔ پھر حضور ﷺ نے اپنا حلق فرمایا، اب حضور ﷺ کی سنت کی اتباع میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی حلق کروا رہے تھے۔ اب اللہ رب العزت دیکھنا چاہتے کہ حلق

---

(۱) الفتح، ۴۸: ۱

کرتے ہوئے ان کا دل کیا کہتا ہے؟ اگر وہ مصطفیٰ ﷺ کی رضا پر راضی ہیں تو میں بھی ان سے راضی ہوگیا۔ حضور ﷺ نے حلق کروانے کے بعد جانور بھی ذبح کر دیا۔ اس کا مطلب یہ بھی حضور ﷺ کی سنت بن گئی۔ جو حضور ﷺ کی سنت ہے اُس پر عمل کرنا واجب ہوگیا، اب اللہ دیکھ رہا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جانور تو ذبح کر رہے ہیں، مگر چھری پھیرتے ہوئے ان کے دلوں کی کیفیت کیا ہے۔ بعد ازاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب مدینہ منورہ واپس جا رہے تھے تو اس وقت بھی اللہ رب العزت اُن کے دلوں کی کیفیت کو دیکھ رہا تھا کہ کیا وہ حضور ﷺ کی رضا پر راضی ہو کر جا رہے ہیں یا اب بھی کوئی خدشات باقی ہیں۔

۶۔ اِحترامِ مصطفیٰ ﷺ جیسا ادب کسی اور کو نصیب نہیں

جب مشرکین مذاکرات کے لئے حدیبیہ پہنچے تو اس دوران انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حضور نبی اکرم ﷺ سے حد درجہ محبت و عقیدت کا مظاہرہ اپنی آنکھوں سے ملاحظہ کیا۔ انہوں نے دیکھا کہ حضور ﷺ وضو فرماتے ہیں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کے استعمال شدہ پانی کے قطروں سے زمین کو تر نہیں ہونے دیتے، بلکہ ان کو فضا ہی سے لے کر اپنے ہاتھوں اور چہروں پر مل لیتے ہیں۔ اگر آپ ﷺ اپنی زلفِ مشک بار کو ترشواتے ہیں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کے ایک ایک موئے مبارک کو بطور تبرک اپنے پاس محفوظ کر لیتے ہیں۔ آپ ﷺ انہیں حکم دیتے تو سرِ تسلیم خم کرتے نظر آتے ہیں۔ کفار کا یہ وفد اصحاب رسول رضی اللہ عنہما کا یہ ادب و احترام بجا لانا دیکھ کر جب واپس کفار کے پاس پہنچا تو کہنے لگا:

أَي قَوْمِ، وَاللهِ لَقَدْ وَفَدْتُ عَلَى الْمُلُوْكِ، وَفَدْتُ عَلَى قَيْصَرَ وَكِسْرَى وَالنَّجَاشِيِّ، وَاللهِ إِنْ رَأَيْتُ مَلِكًا قَطُّ يُعَظِّمُهُ أَصْحَابُهُ مَا يُعَظِّمُ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ مُحَمَّدًا. وَاللهِ، إِنْ تَنَخَّمَ نُخَامَةً إِلَّا وَقَعَتْ فِي كَفِّ رَجُلٍ مِنْهُمْ فَدَلَكَ بِهَا وَجْهَهُ وَجِلْدَهُ، وَ إِذَا أَمَرَهُمُ ابْتَدَرُوْا أَمْرَهُ، وَ إِذَا تَوَضَّأَ كَادُوْا يَقْتَتِلُوْنَ عَلَى وَضُوْئِهِ، وَإِذَا تَكَلَّمَ خَفَضُوْا أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَهُ وَمَا

يُحِدُّوْنَ إِلَيْهِ النَّظَرَ تَعْظِيْمًا لَهُ. (۱)

اے قوم! اللہ ربّ العزت کی قسم! میں (بڑے بڑے عظیم الشان) بادشاہوں کے درباروں میں وفد لے کر گیا ہوں، میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی جیسے بادشاہوں کے درباروں میں حاضر ہوا ہوں۔ لیکن خدا کی قسم! میں نے کوئی ایسا بادشاہ نہیں دیکھا کہ اس کے درباری اس کی اس طرح تعظیم کرتے ہوں جیسے محمد ﷺ کے صحابہ محمد ﷺ کی تعظیم کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم! جب وہ تھوکتے ہیں تو ان کا لعاب دہن کسی نہ کسی شخص کی ہتھیلی پر ہی گرتا ہے، جسے وہ اپنے چہرے اور بدن پر مل لیتا ہے۔ جب وہ کوئی حکم دیتے ہیں تو فوراً ان کے حکم کی تعمیل ہوتی ہے، جب وہ وضو فرماتے ہیں تو یوں محسوس ہونے لگتا ہے کہ لوگ وضو کا استعمال شدہ پانی حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جائیں گے وہ ان کی بارگاہ میں اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں، اور غایت تعظیم کے باعث وہ ان کی طرف آنکھ بھر کر دیکھ نہیں سکتے۔

۷۔ بیعتِ رضوان عطائے الٰہی کا ایک عظیم انعام ہے

اللہ رب العزت نے صلح حدیبیہ کے موقع پر مومنین کو پے در پے کڑی آزمائشوں سے دوچار کیا۔ ان میں ایک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر تھی، جس پر ہر مومن ہر قیمت پر بدلہ لینے کے لیے تیار ہو گیا۔ یہ موقع اس قدر ولولہ انگیز تھا کہ خود قرآن مجید بھی خاموش نہ رہا۔ چنانچہ فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللهَ ط يَدُ اللهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ. (۲)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجهاد والمصالحة مع أهل الحرب وكتابة، ۲: ۹۷۴، رقم: ۲۵۸۱

۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۳۲۹

۳۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۱: ۲۱۶، رقم: ۴۸۷۲

(۲) الفتح، ۴۸: ۱۰

(اے حبیب!) بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں، ان کے ہاتھوں پر (آپ کے ہاتھ کی صورت میں) اللہ کا ہاتھ ہے۔

حضور ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم سے بیعت کی شکل میں حلف لے رہے تھے کہ وہ عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لیں گے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور نبی اکرم ﷺ کے دستِ اقدس پر بیعت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے اپنی جانوں کا سودا کر رہے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ اُن کا حلف دینا بھی دیکھ رہا تھا۔ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خاطر بدلہ لینے کے لئے اپنی جانیں قربان کرنے کا عہد محض زبان سے نہیں بلکہ دل سے کر رہے تھے۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

إِنَّ اللهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى أَجْسَادِكُمْ، وَلَا إِلَى صُوَرِكُمْ وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوْبِكُمْ.(۱)

بے شک اللہ تعالیٰ نہ تمہارے جسموں کو دیکھتا ہے اور نہ ہی تمہاری صورتوں کو، بلکہ وہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے۔

یہ ایمان کا وہ معیار ہے جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یوں سُرخرو ہوئے کہ قرآن مجید کا مضمون بن کر مومنین کو قیامت تک کے لئے زندگی بسر کرنے کا سلیقہ سکھا گئے۔

حدیبیہ کے مقام پر دس سالہ معاہدۂ امن بظاہر کمزور شرائط کے ساتھ قبول کرنا مومنین کی سمجھ سے بالا تر تھا۔ اس پر مستزاد معاہدہ کے لکھنے کے دوران کفار کے نمائندوں کا رویہ بھی ناقابلِ برداشت تھا۔ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں یہ سب پڑھ لینا تو بہت آسان ہوتا ہے مگر چشمِ تصور میں اپنے آپ کو اُس جگہ دیکھیں تو معاملہ کی سنگینی کا اندازہ ہو جائے گا۔ چشمِ تصور میں ملاحظہ کیجیے کہ اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں پر کیا بیتی ہوگی جب آپ کے اسمِ مبارک محمد ﷺ کے

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب البر والصلة والآداب، باب تحريم ظلم المسلم وخذله واحتقاره ودمه وعرضه وماله، ۴: ۱۹۸۶، رقم: ۲۵۶۴

۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۸۴، رقم: ۷۸۱۴

۳۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الزهد، باب القناعة، ۲: ۱۳۸۸، رقم: ۴۱۴۳

ساتھ رسول اللہ تک مٹایا جا رہا ہو! یہی وہ موقع تھا جب عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں: اے بھائی ابو بکر! کیا اسلام سچا نہیں؟ انہوں نے جواب دیا: بالکل سچا ہے۔ پھر کہا: کیا حضور ﷺ سچے نہیں ہیں؟ فرمایا: کوئی شک نہیں کہ وہ روئے انسانی میں سب سے سچے ہیں۔ کیا ہم سچے نہیں؟ فرمایا: بالکل الحمد للہ ہم بھی سچے ہیں۔ تو پھر یہ اتنی کڑی شرائط کیوں؟ فرمایا: حضور ﷺ جو کچھ کر رہے ہیں انہیں دل سے مان لو بس یہی ایمان ہے۔

اصحابِ رسول کے ایمان کی کیفیت دیکھیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: قربانی دے دو، انہوں نے لبیک کہتے ہوئے قربانیاں دے دیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: مدینہ واپسی کی تیاری کر لو، انہوں نے اس پر بھی لبیک کہا۔ اب اللہ رب العزت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کو اتار چڑھاؤ کر کے جائزہ لے رہا ہے، وہ انہیں کبھی عروج پر لے جاتا ہے تو کبھی نزول پر لے جاتا ہے۔ کبھی مراد پوری کر کے آزماتا ہے تو کبھی آرزو ادھوری چھوڑ کر آزماتا ہے۔ وہ پاک ذات کبھی صبر میں آزماتی ہے تو کبھی نوازشات میں آزماتی ہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا عقیدہ بھی کمال محبت کا مظاہرہ تھا۔ جب آپ رضی اللہ عنہ مکہ میں بات چیت کے لئے گئے تو کفار نے کہا کہ آپ مکہ میں آئے ہیں تو کعبہ کا طواف کر ہی لیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کے بغیر طواف کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ حضرت موسیٰ بن عُقبہ رضی اللہ عنہ سے طویل واقعہ میں مروی ہے کہ:

أَرْسَلَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ رضی اللہ عنہ إِلٰى قُرَيْشٍ ...... فَدَعَوْا عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ رضی اللہ عنہ لِيَطُوْفَ بِالْبَيْتِ، فَأَبٰى أَنْ يَّطُوْفَ وَقَالَ: مَا كُنْتُ لِأَطُوْفَ بِهٖ حَتّٰى يَطُوْفَ بِهٖ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ، فَرَجَعَ إِلٰى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ. (1)

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو (صلح حدیبیہ کے موقع پر اپنا سفیر بنا

---

(1) ۱۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۹: ۲۲۱، رقم: ۱۸۵۸۸
۲۔ أبو المحاسن، معتصر المختصر، ۲: ۳۶۹
۳۔ قاضي عياض، الشفا بتعريف حقوق المصطفى ﷺ، ۲: ۵۹۳

کر) کفار کی طرف روانہ کیا۔ (مذاکرات کے بعد) اُنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو طواف کعبہ کی دعوت دی تو انہوں نے انکار کردیا اور فرمایا: اللہ کی قسم! میں اس وقت تک طواف نہیں کروں گا جب تک رسول اللہ ﷺ طواف نہیں کر لیتے اور پھر (طواف کیے بغیر) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں واپس آ گئے۔

یہ چھٹی ہجری کے آخری ایام تھے۔ یعنی اللہ رب العزت اہلِ حق کو مسلسل بیس سالوں سے آزمائشوں کے ایک نہ ختم ہونے والے سلسلے کے ذریعے آزما رہا ہے۔ کسی کو حضور ﷺ کے بستر پر لٹا کر آزما رہا تھا تو کسی کو احد احد کی آواز سن کر گرم پتھروں کے نیچے لٹا کر آزما رہا تھا۔ کسی کو اس کے والدین اُسی کی آنکھوں کے سامنے شہید کروا کے آزما رہا تھا۔ کسی کو بدر و احد میں حضور ﷺ کی بارگاہ میں قربان ہوتے ہوئے آزما رہا تھا۔

یہاں ذہن میں یہ سوال آ سکتا ہے کہ اللہ رب العزت کون سی خاص نعمت عطا کرنا چاہ رہا تھا جس کی وجہ سے وہ بار بار آزما رہا تھا۔ یہ وجہ سورہ الفتح کی اس آیت کریمہ نمبر ۴ سے عیاں ہو رہی ہے۔ جیسے ہم شروع میں بیان کر چکے ہیں کہ جس میں فرمایا گیا کہ وہی ہے جس نے مومنوں کے دلوں میں تسکین اتاری، تاکہ ان کے ایمان میں مزید اضافہ ہو۔ یہ آیت مبارکہ زبانِ حال سے بیان کر رہی ہے کہ اے صحابیو! تم جیسا اپنے رسول ﷺ سے محبت کرنے والا، جانیں نثار کرنے والا، حصولِ قربت میں فنا ہونے والا کوئی اور نہیں۔ گویا تم سارے امتحان پاس کر چکے ہو، تمہارے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے تسکین نازل فرما دی اب نہیں مزید ایمان کی نعمت عطا کی جانے والی ہے۔

مفسرین کے نزدیک اس سے مراد جنت میں ان کے لئے قربتِ مصطفیٰ ﷺ کی نعمت ہے انہیں یہ ضمانت دی جا رہی ہے کہ جو قربت مصطفیٰ ﷺ انہیں یہاں ملی ہے وہی قربت جنت میں بھی عطا کرنے والے ہیں۔

یہی مفہوم درج ذیل حدیث مبارکہ میں بیان ہوا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ. (1)

آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے محبت رکھتا ہے۔

جس نے یہاں حضور ﷺ سے محبت کی وہاں جنت میں بھی آپ ﷺ کی قربت میں ہو گا۔ شمعِ رسالت کے پروانو! یاد رہے کہ یہاں مصطفیٰ ﷺ اگر تمہیں تنہا نہیں چھوڑتے تو قیامت کے دن بھی اعلیٰ مقام پر بھی بیٹھ کر تمہیں تنہا نہیں چھوڑیں گے۔

ہر عاشقِ صادق کی ہر لمحہ ایک ہی طلب ہوتی ہے کہ محبوب اُس کی آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے پائے۔ گویا اُس کی تو متاعِ حیات یہی ہے۔ جب صحابہ رضی اللہ عنہم کے دل میں یہ خیال گزرا کہ آپ ﷺ تو انبیاء کے مقام پر فائز ہوں گے تو ہمارا کیا بنے گا؟ اس مقام پر اللہ رب العزت نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں فرشتوں کے ذریعے سکون اتار کر تسلی دی کہ گھبراؤ نہیں اگر مصطفیٰ ﷺ نے تمہیں یہاں تنہا نہیں چھوڑا تو اوپر اعلیٰ مقام پر بھی تمہیں تنہا نہیں چھوڑیں گے۔

۸۔ غارِ ثور میں نزولِ تسکین

اللہ تعالیٰ نے اس سے قبل غارِ ثور میں بھی یہی سکون اتارا تھا۔ جب ہجرت کے وقت حضور نبی اکرم ﷺ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے ہم راہ غارِ ثور میں پہنچے تو اس وقت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنی تو فکر نہیں تھی بلکہ انہیں مصطفیٰ ﷺ کے مبارک وجود سے متعلق خدشات لاحق تھے۔ کیونکہ آپ ﷺ کے جانی دشمن کفارِ مکہ آپ ﷺ کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے غارِ ثور کے دہانے تک پہنچ چکے تھے۔ اللہ رب عالم العزت دلوں کے حال سے بھی بخوبی آگاہ ہے۔ ذاتِ باری

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأدب، باب عَلَامَةِ الْحُبِّ فِي اللهِ، ۵: ۲۲۸۳، رقم: ۵۸۱۷، ۵۸۱۸

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب البر والصلة والآداب، باب المرء مع من أحب، ۴: ۲۰۳۴، رقم: ۲۶۴۰

۳۔ ترمذی، السنن، کتاب الزھد، باب ما جاء أن الْمرءَ مَعَ مَن أُحبَّ، ۴: ۵۹۶، رقم: ۲۳۸۷

تعالیٰ نے اس مقام پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اضطراب کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تسکین کا نزول ہوا۔ قرآن مجید میں اس کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا:

اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ج فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ. (۱)

جب وہ اپنے ساتھی (ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) سے فرما رہے تھے غم زدہ نہ ہو بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے پس اللہ نے ان پر اپنی تسکین نازل فرما دی۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم ﷺ کی بجائے اپنی جان کے خوف سے پریشان ہوتے تو یہاں 'حزن' کی بجائے 'خوف' کا لفظ ہوتا۔ حضرت صدیق اکبر تو فنا فی الرسول کے مقام پر فائز تھے، ان کے بارے میں ایسا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ آیت کریمہ میں حزن کا لفظ بیان کر رہا ہے کہ وہ اپنی ذات کے لیے نہیں بلکہ آپ ﷺ کے لیے پریشان تھے۔ حزن بالواسطہ اور خوف بلاواسطہ ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اپنے پیاروں کی تکالیف پر حزن ہوتا ہے جبکہ اپنی ذات کے حوالے سے لاحق خدشات سے خوف ہوتا ہے۔

چنانچہ جب اللہ نے دیکھ لیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دل میں اپنی ذات کے لیے کچھ نہیں جو ہے وہ حضور نبی اکرم ﷺ کے لیے ہے تو فرما دیا:

فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ. (۲)

پس اللہ نے ان پر اپنی تسکین نازل فرما دی۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہاں 'ہٗ' ضمیر حضور ﷺ کے لیے ہے۔ حالانکہ حضور ﷺ کو تو اس کی ضرورت ہی نہیں تھی کیونکہ حضور ﷺ کا قلب تو ویسے ہی سکون والا تھا کیونکہ اللہ رب العزت نے فرماتا ہے:

---

(۱) التوبة، ۹: ۴۰

(۲) التوبة، ۹: ۴۰

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا.[1]

اور (اے حبیبِ مکرّم! اِن کی باتوں سے غمزدہ نہ ہوں) آپ اپنے رب کے حکم کی خاطر صبر جاری رکھئے بے شک آپ (ہر وقت) ہماری آنکھوں کے سامنے (رہتے) ہیں۔

جو اللہ کی نگاہوں میں رہتے ہوں اُن کو تو سکون ہی سکون اور اطمینان ہی اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ 'ہٗ' ضمیر سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے ہے اگر 'ہٗ' ضمیر حضور ﷺ کے لیے ہوتی تو مَعَنَا کیوں کہتے؟ مَعِی کہتے۔ مگر فرمایا: مَعَنَا اس سے پتہ چلا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دل میں حزن بھی حضور ﷺ کے لیے تھا اور فکر بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دل میں حضور ﷺ کے حوالے سے تھی تو پھر سکون بھی ذاتِ باری تعالیٰ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے اتارا اور ساتھ فرما دیا:

وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا.[2]

اور انہیں (فرشتوں کے) ایسے لشکروں کے ذریعہ قوت بخشی جنہیں تم نہ دیکھ سکے۔

اب یہ کیسے ممکن ہے کہ حضور ﷺ فرشتوں کو نہیں دیکھ رہے تھے۔ آپ ﷺ ہر چیز کا مشاہدہ کر رہے تھے اس لیے فرمایا: ابوبکر رضی اللہ عنہ تم دیکھ نہیں رہے کہ یہاں فرشتے بھی مدد کے لئے موجود ہیں۔ جہاں تک آپ ﷺ کا معاملہ تھا تو آپ کبھی تنہا نہیں رہے۔ آپ تو ہر لمحہ اللہ کی نظر میں رہتے ہیں جیسا کہ فرمایا:

فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا.[3]

بے شک آپ (ہر وقت) ہماری آنکھوں کے سامنے (رہتے) ہیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتے محافظ بن کر ہر لمحہ حضور ﷺ کی حفاظت کا فریضہ ادا

---

(۱) الطور، ۵۲: ۴۸

(۲) التوبة، ۹: ۴۰

(۳) الطور، ۵۲: ۴۸

کرتے ہیں تو کسی دشمن کی بھلا کیا مجال کہ وہ آپ ﷺ کے قریب بھی آ سکے!

سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا مقام فنائیت

عرفاء بیان کرتے ہیں کہ غار ثور میں مسلسل تین دن اور تین رات صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو خلوت میں حضور ﷺ کی رفاقت کا شرف حاصل ہوا۔ ان کی نظریں ہمہ وقت حضور نبی اکرم ﷺ کے چہرہ اقدس کے نور کو جذب کرتی رہی ہوں گی، یہی وہ مقام تھا جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فنا فی الرسول کے رنگ میں ایسے رنگے گئے کہ ان کا اپنا کچھ باقی نہیں رہا۔

چنانچہ جب مدینہ منورہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کی آمد ہوئی تو استقبال کرنے والے لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے چہرے کی تجلیوں کو دیکھ کر مغالطے میں پڑنے لگے، وہ کم علمی میں انہیں ہی حضور ﷺ سمجھنے لگے۔ اس پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سایہ دان ہاتھ میں پکڑ کر خود حضور ﷺ کے پیچھے کھڑے ہو گئے تا کہ کسی کو مغالطہ نہ لگے۔ اب ہر کوئی سمجھتا تھا کہ آگے والے آقا ﷺ ہیں اور پیچھے کھڑے ہونے والے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ حضور ﷺ کا ہی کرم تھا کہ جس نے چہرۂ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مزید روشن اور تاباں کر دیا تھا۔ یہ دراصل محبتِ ابوبکر رضی اللہ عنہ تھی اور وہ کرمِ مصطفیٰ ﷺ تھا۔[۱]

۹۔ غزوۂ حنین اور نزولِ سکینہ

فتح مکہ کے بعد جب پے در پے لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تو مسلمانوں کے دلوں میں یہ گمان پیدا ہونے لگا کہ اب ہم ناقابلِ شکست ہو گئے ہیں، اب دنیا کی کوئی طاقت ہم سے ٹکر نہیں لے سکتی۔ اللہ تعالیٰ کو ان کا اپنی کثرت پر فخر کرنا پسند نہیں آیا۔ چنانچہ مسلمانوں کی فتح شکست میں تبدیل ہوگئی اور اسلامی لشکر پر خوف و اضطراب کی کیفیت چھا گئی۔

قرآن حکیم نے اس ساری کیفیت کو یوں بیان کیا ہے:

---

(۱) بخاري، الصحيح، كتاب المناقب، باب هجرة النبي ﷺ وأصحابه رضي الله عنهم إلى المدينة، ۳: ۱۴۲۱، الرقم: ۳۶۹۴

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ○[1]

بے شک اللہ نے بہت سے مقامات میں تمہاری مدد فرمائی اور (خصوصاً) حنین کے دن جب تمہاری (افرادی قوت کی) کثرت نے تمہیں نازاں بنا دیا تھا پھر وہ (کثرت) تمہیں کچھ بھی نفع نہ دے سکی اور زمین باوجود اس کے کہ وہ فراخی رکھتی تھی، تم پر تنگ ہوگئی چنانچہ تم پیٹھ دکھاتے ہوئے پھر گئے○

پھر حضور نبی اکرم ﷺ کے صدقے اللہ تعالیٰ نے درگزر فرماتے ہوئے ان پر تسکین نازل فرمائی اور شکست کو فتح میں بدل دیا۔ جس کا ذکر قرآن مجید میں اگلی آیت میں کیا گیا:

ثُمَّ اَنْزَلَ اللهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ○[2]

پھر اللہ نے اپنے رسول (ﷺ) پر اور ایمان والوں پر اپنی تسکین (رحمت) نازل فرمائی اور اس نے (ملائکہ کے ایسے) لشکر اتارے جنہیں تم نہ دیکھ سکے اور اس نے ان لوگوں کو عذاب دیا جو کفر کر رہے تھے اور یہی کافروں کی سزا ہے○

۱۰۔ فنائیت میں سکون کی نعمت کا ملنا

ایک اور مقام پر بھی اس کا ذکر آیا:

لَقَدْ رَضِيَ اللهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ○[3]

---

(۱) التوبة، ۹: ۲۵

(۲) التوبة، ۹: ۲۶

(۳) الفتح، ۴۸: ۱۸

بے شک اللہ مومنوں سے راضی ہو گیا جب وہ (حدیبیہ میں) درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے، سو جو (جذبۂ صدق و وفا) ان کے دلوں میں تھا اللہ نے معلوم کرلیا تو اللہ نے ان (کے دلوں) پر خاص تسکین نازل فرمائی اور انہیں ایک بہت ہی قریب فتح (خیبر) کا انعام عطا کیاo

اللہ تعالیٰ نے جب دیکھ لیا کہ ان کے دلوں میں کامل اطمینان ہے، وہ حضور ﷺ کے علاوہ کچھ اور سوچتے ہی نہیں۔ وہ آپ ﷺ کی محبت میں فنا ہو چکے ہیں تو اُس وقت انہیں سکون عطا فرما دیا۔

۱۱۔ بنی اسرائیل کے لیے تابوتِ سکینہ کا نزول؛ اُمتِ محمدیہ کے لیے کیا؟

اب تک ہم نے سکون و تسکین کا جو ذکر کیا وہ نسبتِ مصطفیٰ ﷺ سے متعلق تھا۔ قرآن حکیم میں ایک اور مقام پر تابوتِ سکینہ کی بات کی گئی ہے۔ یہ ایک صندوق تھا جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا، نعلین، طشت، حضرت ہارون علیہ السلام کا عمامہ، جبہ اور توریت کی تختیاں تھیں۔ ان سب تبرکات کو ایک صندوق میں محفوظ کر دیا گیا تھا۔ بنی اسرائیل کو اس صندوق سے والہانہ عقیدت تھی۔ وہ جب بھی مصائب و مشکلات کا شکار ہوئے یا میدان جنگ میں ان کے حوصلے جواب دینے لگتے تو اس صندوق کی برکات سے وہ ہر مشکل سے باہر نکل آتے تھے۔ فلسطینیوں کے ہاتھوں عبرت ناک شکست کھانے کے بعد یہ صندوق بنی اسرائیل سے چھن گیا۔ اس کے چھین لیے جانے کو بنی اسرائیل نے اپنی سطوت اور وقار کے چھن جانے سے تعبیر کیا۔ چنانچہ اس دور میں بنی اسرائیل کا سب سے بڑا مقصد اپنے دشمنوں سے یہ صندوق واپس لینا تھا۔ اسی بنا پر سموئیل علیہ السلام نبی نے طالوت کے بادشاہ کے طور پر انتخاب کی یہ نشانی ٹھہرائی ہے کہ فرشتوں کے ذریعے وہ صندوق ان کے پاس آ جائے گا۔

قرآن مجید نے اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○[۱]

اور ان کے نبی نے ان سے فرمایا اس کی سلطنت (کے مِنْ جانبِ اللہ ہونے) کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس صندوق آئے گا اس میں تمہارے رب کی طرف سے سکونِ قلب کا سامان ہوگا اور کچھ آلِ موسیٰ اور آلِ ہارون کے چھوڑے ہوئے تبرکات ہوں گے اسے فرشتوں نے اٹھایا ہوا ہوگا، اگر تم ایمان والے ہو تو بے شک اس میں تمہارے لیے بڑی نشانی ہے○

بنی اسرائیل کے لئے طالوت کے من جانب اللہ بادشاہ مقرر کرنے کی یہ نشانی اس لئے بتائی گئی تا کہ وہ اس سے عزم و ہمت پا کر دشمنوں پر فتح حاصل کرسکیں۔

اب یہاں پر ہم تابوتِ سکینہ کے واقعے کو اِس طرح correlate کریں گے کہ جب انبیاء کرام علیہم السلام کے تبرکات تابوت میں رکھ دیے جائیں تو وہ بنی اسرائیل کے لیے امن و سکون اور فتح و نصرت کا باعث بن سکتا ہے تو یہاں اتنی آزمائشوں کے بعد جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کی بارگاہ میں فنا ہوگئے اور ہر امتحان میں کامیاب ہوتے چلے گئے تو اللہ رب العزت نے فرما دیا کہ اب وہاں تو تبرکات اٹھاتے تھے تو اطمینان وسکون اور فتح و نصرت ملتی تھی، اب یہاں انہیں حضور ﷺ کی ظاہری اور باطنی نسبت دونوں جہانوں میں ہمیشہ کے لیے عطا فرما دی اور ساتھ ہی ایک آیت میں فرما دیا:

وَمَا كَانَ اللهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ.[۲]

اور (درحقیقت بات یہ ہے کہ) اللہ کی یہ شان نہیں کہ ان پر عذاب فرمائے درآنحالیکہ (اے حبیبِ مکرّم!) آپ بھی ان میں (موجود) ہوں۔

---

(۱) البقرة، ۲: ۲۴۸

(۲) الانفال، ۸: ۳۳

یہاں یقینِ کامل عطا کرتے ہوئے واضح کر دیا کہ اے میرے محبوب کے صحابیو! یہ نہ سمجھنا کہ تم تنہا ہو۔ واضح رہے کہ بنی اسرائیل کو تو تبرکات عطا کیے تھے اور تمہیں اپنا محبوب محمد مصطفیٰ ﷺ عطا کرتا ہوں۔ تمہیں نسبتِ مصطفیٰ ﷺ عطا کر دی ہے۔ تمہیں اپنے حبیب مکرم ﷺ کی بارگاہ میں اور خدمت میں رہنا عطا فرما دیا۔ تمہیں غلامی مصطفیٰ ﷺ میں دوام عطا فرما دیا ہے۔ لہٰذا جس نے جس سے محبت کی ہوگی وہ اُنہی کی صحبت میں ہوگا۔

امام بخاری و مسلم کی متفق علیہ روایت ہے جسے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

إِنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ عَنِ السَّاعَةِ، فَقَالَ: مَتَى السَّاعَةُ؟ قَالَ: وَمَاذَا أَعْدَدْتَ لَهَا؟ قَالَ: لَا شَيْءَ إِلَّا أَنِّي أُحِبُّ اللهَ وَرَسُوْلَهُ ﷺ. فَقَالَ: أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ. قَالَ أَنَسٌ: فَمَا فَرِحْنَا بِشَيْءٍ فَرَحَنَا بِقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ. قَالَ أَنَسٌ: فَأَنَا أُحِبُّ النَّبِيَّ ﷺ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَأَرْجُوْ أَنْ أَكُوْنَ مَعَهُمْ بِحُبِّي إِيَّاهُمْ، وَإِنْ لَمْ أَعْمَلْ بِمِثْلِ أَعْمَالِهِمْ. (۱)

کسی آدمی نے حضور نبی اکرم ﷺ سے قیامت کے متعلق سوال کیا کہ (یا رسول اللہ!) قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے اس کے لیے کیا تیاری کر رکھی ہے؟ اس نے عرض کیا: (یا رسول اللہ!) میرے پاس تو کچھ نہیں، ماسوا اس کے کہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم (قیامت کے روز) اسی کے ساتھ ہو گے جس سے محبت کرتے ہو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں (یعنی تمام صحابہ کو) کبھی کسی خبر سے اتنی خوشی نہیں ہوئی، جتنی

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب المناقب، باب مناقب عمر بن الخطاب أبي حفص القرشي العدوي رضی اللہ عنہ، ۳: ۱۳۴۹، رقم: ۳۴۸۵

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب البر والصلة والآداب، باب المرء مع من أحب، ۴: ۲۰۳۲، رقم: ۲۶۳۹

خوشی آپ ﷺ کے اس فرمانِ اَقدس سے ہوئی کہ تم (روزِ قیامت) اُسی کے ساتھ ہو گے جس سے محبت کرتے ہو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں حضور نبی اکرم ﷺ سے محبت کرتا ہوں اور حضرت ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما سے بھی محبت کرتا ہوں، لہٰذا اُمید کرتا ہوں کہ اُن کی محبت کے باعث میں بھی اُن حضرات کے ساتھ ہی رہوں گا اگرچہ میرے اَعمال تو اُن کے اَعمال جیسے نہیں۔

ایک روایت میں حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

إِنَّـهُ قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ، الرَّجُلُ يُحِبُّ الْقَوْمَ وَلَا يَسْتَطِيْعُ أَنْ يَعْمَلَ كَعَمَلِهِمْ، قَالَ: أَنْتَ، يَا أَبَا ذَرٍّ، مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ. قَالَ: فَإِنِّي أُحِبُّ اللهَ وَرَسُوْلَهُ ﷺ، قَالَ: فَإِنَّکَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ. قَالَ: فَأَعَادَهَا أَبُوْ ذَرٍّ، فَأَعَادَهَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ. (1)

اُنہوں نے (حضور ﷺ کی بارگاہ میں) عرض کیا: یا رسول اللہ! ایک آدمی کچھ لوگوں سے محبت کرتا ہے لیکن ان جیسا عمل نہیں کر سکتا (اُس کے بارے میں کیا حکم ہے)؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابو ذر! تو اُسی کے ساتھ ہو گا جس سے تجھے محبت ہے۔ اُنہوں نے عرض کیا: میں تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابو ذر! تم یقیناً اُسی کے ساتھ ہو گے جس سے تم محبت کرتے ہو۔ راوی کا بیان ہے کہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے پھر اپنا سوال دہرایا تو رسول اللہ ﷺ

(1) ١۔ أحمد بن حنبل، المسند، ٥:١٥٦، رقم:٢١٤١٦

٢۔ أبو داود، السنن، كتاب الأدب، باب إخبار الرجل الرجل بمحبته إليه، ٤:٣٣٣، رقم:٥١٢٦

٣۔ دارمی، السنن، ٢:٤١٤، رقم:٢٧٨٧

٤۔ بزار، المسند، ٩:٣٧٣، رقم:٣٩٥١

٥۔ ابن حبان، الصحيح، ٢:٣١٥، رقم:٥٥٦

٦۔ بخاري، الأدب المفرد:١٢٨، رقم:٣٥١

نے بھی دوبارہ وہی جواب عطا فرمایا۔

اب یہاں عقیدہ دے دیا ہے کہ اگر میری امت یہی تعلق اور یہی نسبت اپنائے رکھے گی۔ اُسی طرح حضور ﷺ سے ٹوٹ کر محبت، اُسی طرح ان سے دیوانگی، حضور ﷺ کی نسبت، حضور ﷺ کی بارگاہ کی خدمت، حضور ﷺ کی بارگاہ کی غلامی کا اور ادبِ مصطفیٰ ﷺ کا طریقہ اِسی طرح سلامت رہے گا، تو آج بھی اگر عاشق حضور ﷺ سے اُسی طرح ٹوٹ کر محبت کریں گے تو اُن کے لیے بھی عقیدہ یہی ہے کہ حضور ﷺ تمہارے ہیں۔

سورۃ الانفال کی آیت نمبر ۳۳ کی طرف رجوع کرتے ہوئے واضح رہے کہ اُس وقت تک کوئی بھی شے عذاب نہیں دے سکتی، جب تک حضور ﷺ کی نسبت اور حضور ﷺ کی محبت قلوب میں موج زن ہے۔ اب دونوں واقعات کا باہمی تعلق یہ ہوا کہ اگر بنی اسرائیل کو تابوت سکینہ کے ہوتے ہوئے سکون و اطمینان اور فتح و نصرت نصیب ہوتی ہے تو پھر امتِ مسلمہ کے ساتھ تو ہمہ وقت حضور ﷺ رہتے ہیں۔ اس طرح حاضر وناضر کا عقیدہ مضبوط ہوا، حضور ﷺ کی غلامی کا عقیدہ مستحکم ہوا، زیارت مصطفیٰ ﷺ کا، حضور ﷺ کے کرم کا، حضور ﷺ کی توجہات و فیوضات کا وہ عقیدہ پختہ ہوا کہ اس قوم کو کبھی عذاب اور کبھی دشمن سے شکست نہیں ہوسکتی۔

۱۲۔ امتِ مسلمہ کے زوال کی بنیادی وجہ

آج ہم اضطراب کا شکار ہو کر تذلل کی دلدل میں دھنسے ہوئے ہیں، اس کی بنیادی وجہ یہ کہ ہمارے عقیدۂ رسالت میں دراڑ آ گئی ہے۔ آج امت میں اضطرابی کیفیت اِس لیے ہے کہ ہر طرف بپا ہونے والے فساد کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ ہمارے عقائد کمزور ہو گئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری دینی خدمات میں وہ خلوص نہیں رہا، عشق مصطفیٰ ﷺ میں وہ خلوص نہیں رہا، نسبت مصطفیٰ ﷺ میں وہ خلوص نہیں رہا، حضور ﷺ کی امت کی فلاح و بہبود کے لیے کئے گئے ہمارے اعمال اور افعال کے اندر اور وہ شفافیت نہیں رہی جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تھی۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج ہم بے راہ روی کا شکار ہو کر عقیدے میں کمزور اور ناتواں ہو چکے ہیں۔ اِس وجہ سے امت اپنی عظمت کے راستے سے ہٹ کر زوال کا شکار ہوگئی ہے۔

بتانا یہ مقصود ہے کہ جب تابوتِ سکینہ کے ہوتے ہوئے بنی اسرائیل کو شکست نہیں ہوسکتی تھی تو جہاں مصطفیٰ ﷺ دلوں میں آ جائیں تو وہاں بھلا شکست کیسی؟ اب اگر انبیائے کرام علیہم السلام کے تبرکات سے منسوب صندوق بنی اسرائیل کو اطمینان، سکون اور وقار کا سبب بن سکتا ہے تو پھر امام الانبیاء ﷺ کا مبارک وجود اور ان سے نسبت امتِ مسلمہ کو سکون، اطمینان، فتح اور نصرت کا سبب کیوں نہیں بن سکتی۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہماری نسبتِ مصطفیٰ ﷺ جس قدر مضبوط ہوگی اس قدر ہی ہمیں اطمینان، سکون، فتح و نصرت نصیب ہوگی۔ اگر اس وقت مسلم امہ شکست خوردہ ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے دلوں میں حضور ﷺ کی محبت کی بجائے دنیا کی محبت غالب ہو چکی ہے۔ یہی امت پر زوال کی بنیادی وجہ ہے۔

قومِ بنی اسرائیل کو تو ظاہری طور پر تابوت اٹھا کر برکت لینا پڑتی تھی جبکہ مسلمان عشقِ مصطفیٰ ﷺ کی نسبت دلوں میں بسا کر برکت حاصل کرتے ہیں۔ وہ بن دیکھے مصطفیٰ ﷺ سے ہر شے سے بڑھ کر محبت کرتے ہیں۔ انہیں تابوتوں اور صندوقوں کی بھلا کیا ضرورت ہے، ان کے دلوں میں تو حضور ﷺ کی محبت کا بحرِ بے کراں موج زن ہے۔ سکینہ کا لغوی معنی وقار، سکون، اطمینان اور یقین ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو اگر ہمارا قلبی و روحانی تعلق خاتم المرسلین ﷺ کی ذاتِ مبارکہ سے جڑ جائے تو ہر مومن ہی سراپائے سکینت دکھائی دے گا۔ چنانچہ مسلمانوں کی کامیابی و کامرانی کا راز محبتِ رسول ﷺ میں ہی پنہاں ہے۔ اسی سے اہلِ دل کو محبت، سکون، اطمینان، رحمت اور وقار ملتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ محبت رسول ﷺ کی چنگاری کو جو ہر اہلِ نظر کے دل میں سلگ رہی ہے اسے عشق کی آگ سے مزید بھڑکا دیا جائے تاکہ امت زوال کی گھاٹی سے نکل کر عروج کی طرف گامزن ہو سکے۔

۱۳۔ اعمالِ صالحہ عشقِ مصطفیٰ ﷺ کا مظہر ہیں

محبت کا اصل مقام بلاشبہ کا دل ہوتا ہے لیکن اس کے آثار اعمال سے ظاہر ہوتے ہیں۔

۱۔ حضرت صفیہ بن مجزاد روایت کرتے ہیں:

إِنَّ أَبَا مَحْذُوْرَةَ ﷺ كَانَتْ لَهُ قُصَّةٌ فِي مُقَدَّمِ رَأْسِهِ، إِذَا قَعَدَ أَرْسَلَهَا، فَتَبْلُغُ الْأَرْضَ، فَقَالُوْا لَهُ: أَ لَا تَحْلِقُهَا؟ فَقَالَ: إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ مَسَحَ عَلَيْهَا بِيَدِهِ، فَلَمْ أَكُنْ لِأَحْلِقَهَا حَتّٰى أَمُوْتَ. فَلَمْ يَحْلِقْهَا حَتّٰى مَاتَ.(۱)

حضرت صَفِیَّہ بنت مَجْزَاۃ ؓ سے مروی ہے کہ حضرت ابومحذورہ ؓ کے بالوں کے اگلے حصے میں ایک طویل لٹ تھی۔ جب وہ بیٹھتے تو اُسے لٹکا لیتے جس پر وہ لٹ زمین تک پہنچ جاتی تھی۔ لوگوں نے ان سے کہا: آپ اسے کٹواتے کیوں نہیں؟ انہوں نے فرمایا: ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے ان بالوں پر اپنا دستِ شفقت پھیرا تھا لہٰذا میں ان بالوں کو اپنے مرتے دم تک نہیں کٹواؤں گا، چنانچہ اُنہوں نے اپنی موت تک اُن بالوں کو نہیں کٹوایا۔

۲۔ سیدنا ابن اَدرع اسلمی ؓ غزوۂ تبوک کے موقع پر آقا ﷺ کے خیمہ مبارک کے باہر پاسبانی کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ انہوں نے وہاں عبد اللہ ذوالبجادین نامی ایک صحابی کو ساری رات قرآن مجید کی اونچی آواز میں تلاوت کرتے دیکھا۔ انہوں نے حضور ﷺ کی بارگاہ میں عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے یہ شخص ریاکار لگتا ہے۔ آقا ﷺ نے فرمایا: ایسا مت کہو یہ اَوّاب (اللہ کی طرف بہت رجوع کرنے والا) ہے۔(۲)

حضرت عبد اللہ ذوالبجادین ؓ کا اسی غزوہ کے دوران انتقال ہوگیا۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ اورعمر فاروق ؓ نے ان کی تدفین کی۔ جب انہیں لحد میں اتارا گیا تو حضور ﷺ خود اُن کی لحد میں اتر کر ہاتھ اٹھاتے ہوئے اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا:

---

(۱) ۱۔ بخاری، التاریخ الکبیر، ۴: ۱۷۷، رقم: ۲۴۰۳
۲۔ حاکم، المستدرک، ۳: ۵۸۹، رقم: ۶۱۸۱
۳۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۷: ۱۷۶، رقم: ۶۷۴۶
۴۔ ابن حبان، الثقات، ۴: ۳۸۶، رقم: ۳۴۸۹

(۲) احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۳۳۷، رقم: ۱۸۹۹۲

اَللّٰهُمَّ إِنِّي رَاضٍ عَنهُ فَارْضَ عَنهُ.

اے اللہ! میں اس سے راضی ہوں تو بھی اس سے راضی ہو جا۔

یہ منظر دیکھ کر ایک روایت کے مطابق سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ایک روایت کے مطابق سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زبان سے باختلاف یہ الفاظ جاری ہو گئے:

وَاللّٰهِ، لَوَدِدْتُ أَنِّي صَاحِبُ الْحُفْرَةِ.(۱)

اللہ کی قسم! میں نے یہ خواہش کی کہ کاش میں صاحبِ قبر ہوتا۔

محبت یہ نہیں کہ آپ کہیں کہ میں محبّ ہوں بلکہ محبت تو یہ ہے کہ محبوبِ کبریا ﷺ خود فرمائیں کہ یہ میرا محبّ اور میں اس کا محبوب ہوں۔ خودساختہ دعوے کرنے سے بات نہیں بنتی، کام تو اس وقت بنتا ہے جب دل دار خود دل داری کی سند عطا فرمائے۔ خوش بو کسی کو کبھی نہیں کہتی کہ میں خوش بو ہوں بلکہ اپنی مہک سے اپنے وجود کو خود ثابت کرتی ہے۔

کیا لطف جو غیر پردہ کھولے
جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے

۳۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا وظیفہ تین ہزار مقرر کیا جبکہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے لئے ساڑھے تین ہزار کا وظیفہ مقرر کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور کہا کہ وظیفے کی رقم میں یہ فرق کیوں رکھا گیا ہے؟ انہوں رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو عمر کو محبوب ہے اور وہ مصطفیٰ ﷺ کو محبوب ہے۔

میں اپنے لختِ جگر کو دیکھوں یا حضور نبی اکرم ﷺ کے منہ بولے فرزند کو دیکھوں! جس سے حضور ﷺ زیادہ راضی ہوں میں بھی اسی سے زیادہ راضی ہوں۔

---

(۱) ۱۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۹: ۵۲، رقم: ۹۱۱۱
۲۔ ابو نعیم، حلیة الأولیاء، ۱: ۱۲۲
۳۔ شاشی، المسند، ۲: ۳۱۳، رقم: ۸۹۳

۴۔ صحابہ کرام بیان کرتے ہیں کہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ایک بار کسی صحابی رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے۔ وہ جب اُس کی چوکھٹ پر پہنچے تو وہیں پر پانی منگوایا اور وہیں کھڑے ہو کر پی لیا۔ وہاں موجود افراد کہنے لگے! کیا آپ کا یہ عمل درست ہے؟ فرمایا: میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو اسی مقام پر کھڑے ہوئے پانی پیتے دیکھا تھا، اسی سنت کی اقتدار میں یہ عمل دہرایا ہے۔

روایت کے الفاظ کچھ یوں ہیں:

عَنِ النَّزَّالِ، قَالَ: أُتِيَ عَلِيٌّ رضی اللہ عنہ عَلٰى بَابِ الرَّحَبَةِ بِمَاءٍ، فَشَرِبَ قَائِمًا، فَقَالَ: إِنَّ نَاسًا يَكْرَهُ أَحَدُهُمْ أَنْ يَشْرَبَ وَهُوَ قَائِمٌ، وَإِنِّي رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَعَلَ كَمَا رَأَيْتُمُونِي فَعَلْتُ. (۱)

حضرت نزّال نے بیان کیا کہ باب الرّحبہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پانی پیش کیا گیا تو انہوں نے کھڑے ہوکر پانی نوش کیا، پھر فرمایا: اگر کوئی آدمی کھڑا ہو کر پانی پیے تو کچھ لوگ اسے مکروہ جانتے ہیں، حالانکہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے جس طرح تم نے مجھے کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

۵۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا گیا کہ وہ راستوں اور مقامات کو تلاش کرتے رہتے اور پھر وہاں دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔ پوچھا گیا کہ یہ کیا ماجرا کیا ہے؟ وہ کہتے: میں نے ان مقامات پر محبوب محمد مصطفیٰ ﷺ کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ (۲)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب الأشربة، باب الشرب قائمًا، ۵:۲۱۳۰، رقم:۵۲۹۲

۲۔ أبو داود، السنن، كتاب الأشربة، باب في الشرب قائمًا، ۳:۳۳۶، رقم:۳۷۱۸

۳۔ نسائی، السنن، كتاب الطهارة، باب صفة الوضوء من غير حدث، ۱:۸۴، رقم:۱۳۰

(۲) عسقلانی، الإصابة في تمييز الصحابة، ۴: ۱۸۶

۶۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ذو الحلیفہ کے مقام پر پتھریلی زمین میں اپنی اونٹنی بٹھائی اور نماز پڑھی۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔[(۱)]

اندازہ کیجیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حضور ﷺ سے عشق و محبت کی وارفتگی کا یہ عالم تھا۔ یہ محبتِ رسول ﷺ کے آثار ہیں جن سے امتیوں کے دلوں میں جوت جگانے کی ضرورت ہے۔

۱۴۔ حضور ﷺ کی حضوری ہی دلوں کا اطمینان ہے

جو شخص حضور نبی اکرم ﷺ کی حضوری کے شرف سے بہرہ مند ہوتا ہے، اس سے دلوں کو سکون اور بھٹکے ہوئے لوگوں کو صراطِ مستقیم ملتی ہے۔ امام قسطلانی کی حضوری کا یہ عالم تھا کہ خود حضور نبی اکرم ﷺ کو سامنے پا کر اتباع کرتے۔ وہ فرماتے ہیں:

فاتباع هذا النبي الكريم ﷺ حياة القلوب، ونور البصائر، وشفاء الصدور.[(۲)]

یہ حضور نبی اکرم ﷺ کی اتباع قلوب کی حیات، آنکھوں کا نور اور سینوں کی شفا ہے۔

یہاں انہوں نے ذاک النبي نہیں کہا کہ ''وہ نبی، بلکہ هذا النبي (یہ نبی) کہا۔ یہ مقامِ حضوری ہے۔ عاشقِ صادق وہ ہوتا ہے جو آپ ﷺ کو سامنے پا کر سلام نیاز عرض کرتا ہے۔ آج پھر اسی نسبتِ عشق کو بحال کرنے کی ضرورت ہے، تاکہ دلوں کو وہ سکون اور اطمینان مل جائے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نصیب ہوا تھا۔ وہ رحمت مل جائے جو دن رات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الحج، باب ذات عرق لأہل العراق، ۲:۵۵۶، رقم:۱۴۵۹

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الحج، باب التعریس بذي الحلیفة والصلاة بها إذا صدر من الحج أو العمرة، ۲:۹۸۱، رقم:۱۲۵۷

(۲) قسطلانی، المواهب اللدنیة بالمنح المحمدیة، ۲: ۲۳۴

اترا کرتی تھی۔

امام نیشاپوریؒ اپنی کتاب شرف المصطفیٰ ﷺ میں لکھتے ہیں۔ حضرت سفیان ثوری بیان کرتے ہیں: ایک روز میں کعبۃ اللہ میں دورانِ طواف دیکھتا ہوں کہ ایک نوجوان کعبہ کو تکتا جا رہا ہے اور اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کہتا جا رہا ہے۔ حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے اُس نوجوان کو روک کر پوچھا: اے نوجوان! یہاں لبیک لبیک کی آوازیں بلند ہو رہی ہیں اور تم صرف درود وسلام پڑھتے جا رہے ہو۔ اس نے بتایا اس کا ایک خاص سبب ہے۔ ایک روز میں اپنی والدہ کو طواف کی خاطر صحن کعبہ میں لے کر آیا تھا۔ یہاں آ کر وہ بیمار ہو گئیں۔ اُن کا چہرہ متغیر ہو گیا بلکہ

وتورم بطنها، وأسود وجهها.

اُن کا پیٹ پھول گیا، اُن کا چہرہ سیاہ ہو گیا۔

وہ بیمار ہو کر نیچے گر پڑیں۔ میں ان کی بیماری کی حالت میں پریشان ہو کر نیچے بیٹھ گیا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا: اے مولیٰ! تیرے گھر میں اگر کوئی عاجز آ جائے تو تو یہ حال کرتا ہے؟ اچانک دیکھتا ہوں کہ سفید لباس میں ملبوس ایک خوبصورت چہرے والی ہستی تشریف لائی اور اپنا دست شفقت میری ماں کے ماتھے پر رکھا تو وہ چمکنے لگا۔ میری والدہ صحت یاب ہو گئیں۔ وہ جانے لگے تو میں نے عرض کیا کہ آپ کون ہیں؟ فرمایا میں تمہارا نبی ہوں۔ پھر عرض کیا: یا رسول اللہ! کوئی نصیحت فرماتے جائیں۔ فرمایا:

لا ترفع قدما ولا تضع أخرىٰ إلا وأنت تصلي: اللهم صل على محمد وعلى آل محمد. (1)

تو جو قدم اٹھائے یا رکھے ہر قدم پر محمد مصطفیٰ اور آلِ محمد پر درود بھیجتے رہو: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ۔

---

(۱) ابو سعد نیشاپوری، شرف المصطفي، ۵: ۱۱۶، ۱۱۷

تب سے میں نے درود و سلام کو اپنی زندگی کا وظیفہ بنا لیا ہے۔ حق یہ ہے کہ محبّ وہی ہوتا ہے جو ہر قدم پر اور ہر ہر لمحے حضور ﷺ پر درود و سلام بھیجتا ہے۔ یہ دلوں کا اطمینان ہے اور روحوں کا سکون ہے۔ اس سے جنت کا یقین اور قربتِ مصطفیٰ ﷺ نصیب ہوتی ہے۔

نسبتِ مصطفیٰ ﷺ اور محبتِ مصطفیٰ ﷺ ایمان کی اصل ہے۔ یہ ہمارے دلوں کی جان اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا سبق بھی یہی ہے کہ جو لمحہ بیتے وہ حضور ﷺ کی محبت اور یاد میں بیتے۔ آج اگر امت زوال پذیر ہے تو اس کی بڑی وجہ حضور نبی اکرم ﷺ سے محبت پر ایمان کا کمزور ہو جانا ہے۔

شاعرِ مشرق حضرت علامہ اقبالؒ اسی حقیقت کا انکشاف اپنی ایک فارسی رباعی میں یوں کرتے ہیں:

شبی پیشِ خدا بگریستم زار
مسلمانان چرا زارند وخوارند
ندا آمد نمی دانی که ایں قوم
دلے دارند و محبوبے نه دارند

ایک رات میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں زار و قطار رویا کہ خدایا مسلمان کیوں ذلیل و خوار ہیں تو آواز آئی کہ تو نہیں جانتا کہ اس قوم کے لوگ دل تو رکھتے ہیں لیکن اس دل کو محبوب سے وابستہ نہیں کرتے۔

اس لیے مشکلات میں گھرے اُمتِ محمدیہ کے سفینے کو اگر پار لگانا ہے تو ہمیں ہر دل میں عشقِ رسول ﷺ کا چراغ جلانا ہوگا؛ کیونکہ یہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہوگی۔

باب نمبر 2

حسنِ سراپا رسول ﷺ سے محبت

پچھلے باب میں ہم نے مطالعہ کیا کہ محبتِ مصطفیٰ ﷺ ہی اصلِ ایمان ہے۔ مگر وہ کون سی وجہ ہے کہ ہم اللہ رب العزت کی پسندیدہ امت ہونے کے باوجود پوری دنیا میں محکوم قوم کے طور پر جانے اور پہچانے جاتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے تو ہمیں ہر قسم کے وسائل سے نوازا ہے، اس کے باوجود اگر ہم آج ہم عالمی تناظر میں دیکھیں تو بے پناہ قدرتی وسائل، اہم جغرافیائی حقائق اور بہترین افرادی قوت رکھنے کے باوجود امت مسلمہ انحطاط کا شکار ہے۔ ہماری اخلاقی اقدار، معاشرتی اور سماجی اطوار، تہذیب وتمدن، دینی حمیت اور باوقار تشخص، غرضیکہ زندگی کا کون سا پہلو ہے جو طاغوتی یلغار کے سامنے بے بس اور شکست خوردہ نظر نہیں آتا۔ بدقسمتی کی انتہا یہ ہے کہ مسلمانانِ عالم خود اپنی جڑیں خود کاٹنے کے مترادف اسلام دشمن قوتوں کا آلہ کار بنے ہوئے ہیں۔ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ طاغوت تمام کامیابیوں کے باوجود امتِ مسلمہ کے دل میں چھپی محبت رسول ﷺ کی چنگاری سے ہمیشہ لرزاں رہتا ہے جو کسی وقت بھی بھڑک کر شعلہ جوالہ بن سکتی ہے۔ پندرہ سو سال کے لگ بھگ گزر جانے کے بعد بھی ہم حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس سے اس قدر محبت کے رشتے میں جڑے ہوئے ہیں کہ آپ ﷺ کی عزت و ناموس کی خاطر کٹ مرنے کو اپنے لئے باعثِ صد افتخار سمجھتے ہیں۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سی چیز ہے جس نے ہمارے دلوں کو حضور ﷺ کی محبت سے جوڑ رکھا ہے کہ پندرہ صدیوں کی مسافت کے باجود ہمارا رشتۂ محبت اللہ کے حبیب ﷺ سے بدستور قائم و دائم ہے۔

اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ جب تک حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ اپنی جان، مال، عزت آبرو سے بڑھ کر دیوانہ وار محبت نہ کی جائے تو اس وقت تک ہم اپنے ایمان کو مکمل نہیں سمجھتے۔ حالانکہ ہم نے ظاہری حالت میں حضور نبی اکرم ﷺ کا زمانہ نہیں پایا اور نہ ہی ظاہری طور پر صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح آپ کی اطاعت و اتباع اور تعظیم و توقیر بجا لانے کا شرف پایا ہے۔ نہ ہی

ہماری آنکھیں ظاہری طور پر محبوبِ الٰہی ﷺ کے جمال کی زیارت سے منور ہوئی ہیں اور نہ ہی ہم نے آپ ﷺ کے اصحاب ﷡ کا زمانہ پایا ہے، جنہیں آپ ﷺ کی محبت و سنگت کی نعمت کے اعزاز سے سرفراز کیا گیا۔

واضح رہے کہ زیرِ نظر سطور میں اس سوال کا جواب ڈھونڈنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۱۔ ایمان کا مرکز و محور

حضور نبی اکرم ﷺ سے مسلمانوں کی لازوال محبت کی بنیادی وجہ آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس کا ایمان کا بنیادی جزو ہونا ہے۔ اس وقت تک کسی مسلمان کا ایمان مکمل ہی نہیں ہوتا جب تک وہ نسبت، محبت، تعلق، اطاعت و اتباع، توقیر و تعظیمِ رسالت مآب ﷺ میں کامل نہیں ہوجاتا۔ ہم سے کامل ایمان یہی تقاضا کرتا ہے کہ حضور ﷺ سے شدید محبت کرتے ہوئے، مادی رشتے، ناتے اور فائدے کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے حضور ﷺ کی ذاتِ مقدسہ میں فنا ہو جایئے۔ ارشادِ رب العزت ہے:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ.(۱)

یہ نبیِ (مکرّم ﷺ) مومنوں کے ساتھ اُن کی جانوں سے زیادہ قریب اور حق دار ہیں۔

یہ آیت کریمہ حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ مومنین کا قرب بیان کرتی ہے۔

اللہ رب العزت نے مزید ایک جگہ فرمایا:

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللهَ.(۲)

جس نے رسول (ﷺ) کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ (ہی) کا حکم مانا۔

یعنی محبتِ مصطفیٰ ﷺ محبتِ الٰہی ہے۔ اطاعتِ مصطفیٰ ﷺ اطاعتِ ربانی ہے۔

---

(۱) الأحزاب، ۳۳: ۶

(۲) النساء، ۴: ۸۰

ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ.[1]

(اے حبیب!) آپ فرما دیں: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو تب اللہ تمہیں (اپنا) محبوب بنا لے گا۔

اگر تم اللہ رب العزت کی محبت چاہتے ہو تو اتباعِ مصطفیٰ ﷺ اس کا پہلا زینہ ہے۔ ربِ دو جہاں خود فرما رہا ہے: اگر مجھ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میرے مصطفیٰ ﷺ کی اتباع کرو۔ یعنی اتباعِ مصطفیٰ ﷺ سے رب کی رضا ملتی ہے۔ پھر فرمایا:

لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ.[2]

تا کہ (اے لوگو!) تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور آپ (ﷺ کے دین) کی مدد کرو اور آپ (ﷺ) کی بے حد تعظیم و تکریم کرو۔

یعنی حضور ﷺ کی تعظیم بھی کرو، توقیر بھی، ادب بھی اور احترام بھی بجا لاؤ۔ واضح رہے کہ اگر کسی شے سے اللہ کے محبوب ﷺ کی توقیر کم ہوگئی تو ایسی صورت میں ایمان خطرے سے دوچار ہو جائے گا۔

۲۔ حضور ﷺ سے تعلق کی جہات

یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ جب تک درج ذیل چار طرح کا تعلق آقا ﷺ سے استوار نہ کیا جائے تب تک ایمان مکمل نہیں ہوتا:

۱۔ تعلقِ محبت

۲۔ تعلقِ اطاعت

(۱) آل عمران، ۳: ۳۱

(۲) الفتح، ۴۸: ۹

۳۔ تعلقِ اتباع

۴۔ تعلقِ تعظیم

اگر ان چار جہتوں میں سے کسی ایک جہت کا تعلق بیک وقت آقا ﷺ سے جوڑا نہ جائے تو ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ یہ ایک اصول ہے کہ کوئی کسی سے ٹوٹ کر محبت اُس وقت تک نہیں کرتا جب تک حسن و جمال کے سارے پیمانے اُس میں نظر نہ آ رہے ہوں۔ بظاہر جب ہم کسی کے حسن و جمال کی بات کرتے ہیں، تو زمانوں اور مقامات کے ساتھ اُس کے پیمانے بھی تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ضروری نہیں ہے کہ حسن و جمال کے جو پیمانے ایک زمانے اور مقام میں اعلیٰ سمجھے جاتے ہوں تو وقت اور مقام کے بدل جانے سے وہی پیمانے برقرار بھی رہیں۔

اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ ایک حسین شخصیت اپنے ظاہر و باطن، عادات و خصائل، اخلاق و معاملات، کردار و گفتار، سخاوت و شجاعت اور زبان و بیان میں بھی بیک وقت اعلیٰ صلاحیتوں کی حامل ہو اور اس کا ثانی کوئی اور نہ ہو۔ چنانچہ کسی پیکرِ حسن و جمال کی اطاعت کے لیے ضروری ہے کہ اس کے علم و فضل کا ڈنکا بھی بجتا ہو اور اسے ایجازِ کلام کا بھی حامل ہو۔ اس میں تصرف بھی ہو اور تحکم بھی ہو۔ ہر کوئی اس کی برتری (superiority) اور بالادستی (supermacy) کا قائل ہو۔ وہ زندگی کے ہر پہلو میں کامل (perfect) ہو اور وہ حکم (commandment) میں بھی بے مثال ہو۔ غریب ہو یا امیر ہر کوئی اس کی بارگاہ میں سر جھکاتا ہو۔ وہ سخی ایسا ہو کہ کبھی کوئی سوالی اس کے در سے خالی نہ لوٹے۔ حکمران ایسا ہو کہ مملکت اس کے وجود سے ہر دم شاد کام رہے۔ عادل ایسا ہو کہ غیر بھی اسے اپنا منصف بنانا پسند کریں، گفتگو کرے تو الفاظ موتیوں کی شکل اختیار کر لیں، وہ جدھر سے گزرے تو ادھر کی فضا خوشبو سے معطر و معمور ہو جائے۔ اس شخصیت کی یہ جملہ خوبیاں زمان و مکان سے بالاتر ہوں۔

ہم نے بات کو سمجھنے کی خاطر مختصراً کچھ پیمانے مقرر کر لیے۔ اب حسب توفیق اس امر پر روشنی ڈالتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے کن کن اوصاف سے متصف کیا

ہے۔ اگرچہ کماحقہٗ حبیبِ کبریا ﷺ کے اوصاف بیان کرنا کسی بھی انسان کے بس میں نہیں ہیں۔ بقول ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا:

فَإِنَّ خُلُقَ نَبِيِّ اللهِ ﷺ كَانَ الْقُرْآنَ. (۱)

حضور نبی اکرم ﷺ کا خلق قرآن ہی تو ہے۔

حق یہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا حسن و جمال ایسا تھا کہ آپ کے حسن جیسا نہ کسی کا حسن تھا اور نہ ہی آپ ﷺ کے جمال جیسا کسی کا جمال۔

جیسا کہ فرمایا گیا:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ. (۲)

اُن کی آنکھ نہ کسی اور طرف مائل ہوئی۔

یعنی آپ ﷺ جیسی کسی کی بصارت نہ تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام کی ولادت سے لے کر آج کے دن تک کسی کی زلفیں آپ ﷺ جیسی سیاہ اور مشک بار نہ ہوئیں۔ کسی کے پاؤں قدمینِ مصطفیٰ ﷺ جیسے تاباں و فروزاں نہ ہو سکے۔ سماعتِ مصطفیٰ ﷺ جیسی وسعت کی حامل کسی کی سماعت نہ ہوئی۔ نہ حضور ﷺ کے دست مبارک جیسے کسی کے ہاتھ ہوسکے۔ نہ آپ ﷺ جیسی ملاحت والی سرخی مائل اجلی رنگت کسی کی رنگت ہوئی۔ نہ کسی کا پیکر آپ ﷺ جیسے نورانی بے سایہ پیکر جیسا ہو سکا۔ نہ کسی کے جسم کی خوش بو رسولِ مکرم ﷺ کے معطر جسمِ اطہر کی نکہت جاں فزا جیسی

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب جامع صلاة الليل ومن نام عنه أو مرض، ۱:۵۱۲، رقم:۷۴۶
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶:۵۳، رقم:۲۴۳۱۴
۳۔ أبو داود، السنن، كتاب الصلاة، باب صلاة الليل، ۲:۴۰، رقم:۱۳۴۲
۴۔ نسائی، السنن، كتاب قيام الليل وتطوع النهار، باب قيام الليل، ۳:۱۹۹، رقم:۱۶۰۱

(۲) النجم، ۵۳:۱۷

ہوسکی۔ نہ کسی کا پسینہ ایسا ہوا کہ جسے گوارہ کیا جا سکے، ہاں مگر حبیبِ کبریا ﷺ کے مبارک پسینے جیسا، جسے لوگ عطر کی جگہ استعمال کرتے اور یہ خوش بو ایسی دائمی ہوتی تھی کہ جن کپڑوں کو لگ جاتی وہ پھٹ کر تار تار ہو جاتے مگر بہشتی گلوں سے بڑھ کر مہک ختم نہ ہوتی تھی۔ نہ کسی کے جسم کا اعتدال پیکرِ محمدی جیسا متناسب۔ سرِ مبارک تا پائے مقدس ایسا حسین تناسب پایا جاتا تھا کہ جو کسی اور وجودِ بشری کو نصیب نہ ہوا۔ نہ فربہی کے کوئی اثرات دکھائی دیتے تھے اور نہ ہی لاغر پن کی کوئی علامات نظر آتی تھیں۔ گویا پیکرِ محمدی تناسب کی باکمال مثال تھا۔ نہ کسی کا سینہ اَلَمْ نَشْرَح اور نہ ہی کسی کی زلف وَالَّیل ہوسکی۔ نہ کسی کی آنکھیں سیاہ ومخمور ہوسکیں اور نہ ہی کسی سرمئی پلکیں اس قدر دراز ہوئیں۔ غرضیکہ آپ ایسی تمام خوبیوں سے بدرجہ اتم متصف تھے جو قیامت تک کے لئے درجہ کمال کی حامل رہیں گی۔

۳۔ سراپائے رسول ﷺ کا دل کش جمال

۱۔ حضرت یوسف بن مازن سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے درخواست کرتے ہوئے کہا: اے امیر المومنین! ہمارے لیے رسول اللہ ﷺ کا وصف مبارک بیان فرمائیے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

كَانَ لَيْسَ بِالذَّاهِبِ طُوْلًا وَفَوْقَ الرَّبْعَةِ إِذَا جَاءَ مَعَ الْقَوْمِ غَمَرَهُمْ، أَبْيَضَ شَدِيْدَ الْوَضَحِ، ضَخْمَ الْهَامَةِ، أَغَرَّ أَبْلَجَ، هَدِبَ الْأَشْفَارِ، شَثْنَ الْكَفَّيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ، إِذَا مَشٰى يَتَقَلَّعُ كَأَنَّمَا يَنْحَدِرُ فِي صَبَبٍ، كَأَنَّ الْعَرَقَ فِي وَجْهِهِ اللُّؤْلُؤُ، لَمْ أَرَ قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ مِثْلَهُ ﷺ بِأَبِي وَأُمِّي. (۱)

---

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۱۵۱، رقم: ۱۲۹۹
۲۔ ابن سعد، الطبقات الکبری، ۱: ۴۱۱-۴۱۲
۳۔ ابن عساکر، تاریخ مدینة دمشق، ۳: ۲۶۱
۴۔ نمیری، أخبار المدینة، ۱: ۳۱۹، رقم: ۹۶۷
۵۔ هیثمي، مجمع الزوائد، ۸: ۲۷۲

آپ ﷺ بہت زیادہ دراز قد تھے نہ ہی کوتاہ قد (بلکہ میانہ قد تھے)۔ جب آپ ﷺ کچھ لوگوں کے ساتھ ہوتے تو اُن سب میں نمایاں ہوتے، نہایت سفید اور شفاف رنگت والے تھے، بڑے موزوں سر مبارک والے، گورے مکھڑے والے، دراز پلکوں والے، ہتھیلیاں مبارک اور دونوں پاؤں مبارک مضبوط اور پُر گوشت تھے۔ جب آپ ﷺ چلتے تو اہتمامِ توازن سے پاؤں اُٹھاتے گویا کہ آپ ﷺ بلندی سے پست زمین کی طرف اُتر رہے ہوں۔ پسینہ مبارک کے قطرے آپ ﷺ کے چہرۂ انور پر موتیوں کی طرح چمکتے تھے، میں نے آپ ﷺ سے پہلے اور آپ ﷺ کے بعد، آپ ﷺ جیسا حسین کوئی نہیں دیکھا، میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں۔

۲۔ ایک روایت میں حضرت ابراہیم بن محمد جو حضرت علی ابن اَبی طالب رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضور نبی اکرم ﷺ کا حلیہ مبارک بیان کرتے ہوئے فرماتے:

لَمْ يَكُنْ بِالطَّوِيْلِ الْمُمَّغِطِ وَلَا بِالْقَصِيْرِ الْمُتَرَدِّدِ، وَكَانَ رَبْعَةً مِنَ الْقَوْمِ، وَلَمْ يَكُنْ بِالْجَعْدِ الْقَطَطِ وَلَا بِالسَّبِطِ، كَانَ جَعْدًا رَجِلًا، وَلَمْ يَكُنْ بِالْمُطَهَّمِ وَلَا بِالْمُكَلْثَمِ، وَكَانَ فِي الْوَجْهِ تَدْوِيْرٌ، أَبْيَضُ مُشْرَبٌ، أَدْعَجُ الْعَيْنَيْنِ، أَهْدَبُ الْأَشْفَارِ، جَلِيْلُ الْمُشَاشِ وَالْكَتَدِ، أَجْرَدُ، ذُوْ مَسْرُبَةٍ، شَثْنُ الْكَفَّيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ إِذَا مَشٰى تَقَلَّعَ كَأَنَّمَا يَمْشِي فِي صَبَبٍ، وَإِذَا الْتَفَتَ الْتَفَتَ مَعًا، بَيْنَ كَتِفَيْهِ خَاتَمُ النُّبُوَّةِ، وَهُوَ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ، أَجْوَدُ النَّاسِ كَفًّا، وَأَشْرَحُهُمْ صَدْرًا، وَأَصْدَقُ النَّاسِ لَهْجَةً، وَأَلْيَنُهُمْ عَرِيْكَةً، وَأَكْرَمُهُمْ عِشْرَةً، مَنْ رَآهُ بَدِيْهَةً هَابَهُ، وَمَنْ خَالَطَهُ مَعْرِفَةً أَحَبَّهُ، يَقُوْلُ نَاعِتُهُ: لَمْ أَرَ قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ مِثْلَهُ. (۱)

(۱) ا۔ ترمذي، السنن، كتاب المناقب، باب ما جاء في صفة النبي ﷺ، ۵:۵۹۹، رقم:۳۶۳۸

آپ ﷺ نہ تو بہت دراز قد تھے اور نہ ہی بہت پست قد، بلکہ میانہ قد تھے۔ آپ ﷺ کے بال مبارک نہ تو بالکل گھنگھریالے تھے اور نہ ہی بالکل سیدھے بلکہ قدرے خمیدہ (کنڈل والے) تھے۔ نہ آپ ﷺ بھاری بھرکم تھے اور نہ ہی دبلے پتلے، چہرۂ مبارک میں کچھ گولائی تھی۔ رنگ مبارک سرخی مائل سفید تھا۔ چشمانِ مقدس سیاہ، پلکیں دراز، جوڑوں کی ہڈیاں موٹی تھیں، کندھوں کے سرے اور درمیان کی جگہ بھی پُر گوشت تھی۔ بدن مبارک بالوں سے صاف تھا، سینہ مبارک سے ناف مبارک تک بالوں کی (ایک باریک) لکیر تھی۔ ہتھیلیاں مبارک اور دونوں پاؤں مبارک مضبوط اور پُر گوشت تھے۔ چلتے وقت متوازن اور مضبوط قدم اُٹھاتے گویا کہ ڈھلوان جگہ میں چل رہے ہوں۔ کسی طرف متوجہ ہوتے تو بھرپور توجہ فرماتے۔ دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی (جو اس بات پر دلالت کرتی کہ) آپ ﷺ آخری نبی تھے۔ سب سے زیادہ سخی، سب سے زیادہ کشادہ دل اور سب سے زیادہ سچ بولنے والے تھے۔ آپ ﷺ سب سے زیادہ نرم طبیعت اور سب سے زیادہ محترم شریف گھرانے والے تھے۔ آپ ﷺ کو اچانک دیکھنے والا مرعوب ہو جاتا اور آپ ﷺ کو پہچان کر میل جول رکھنے والا محبت کرنے لگتا۔ آپ ﷺ کا حلیہ مبارک بیان کرنے والا ضرور کہے گا: میں نے آپ ﷺ جیسا حسین نہ آپ ﷺ سے پہلے دیکھا (سنا) اور نہ آپ ﷺ کے بعد دیکھا (سنا)۔

۳۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کی زیارت کی درآنحالیکہ آپ ﷺ سرخ پوشاک زیبِ تن کئے ہوئے تھے، میں نے آپ ﷺ اور چاند دونوں کی طرف دیکھا، پس آپ ﷺ میری نظروں میں چاند سے بھی حسین تر تھے۔

۲۔ ترمذي، الشمائل المحمدية: ۳۲، رقم: ۷

۳۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۶: ۳۲۸، رقم: ۳۱۸۰۵

۴۔ ابن سعد، الطبقات الكبرى، ۱: ۴۱۱-۴۱۲

۵۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۲: ۱۴۹-۱۵۰، رقم: ۱۴۱۵

ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے فرمایا: میرے نزدیک آپ ﷺ چاند سے جمیل تر تھے۔[1]

۴۔ حضرت ابوعبیدہ بن محمد بن عمار بن یاسر ﷺ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ربیع بنت معوذ بن عفراء ؓ سے کہا کہ ہمارے سامنے حضور نبی اکرم ﷺ کے اوصاف مبارکہ بیان کریں، تو انہوں نے فرمایا:

يَا بُنَيَّ، لَوْ رَأَيْتَهُ رَأَيْتَ الشَّمْسَ طَالِعَةً.[2]

اے میرے بیٹے! اگر تم انہیں دیکھتے (تو ایسے ہی تھا گویا) تم نے اپنی پوری آب و تاب سے چمکتا سورج دیکھ لیا ہے۔

۵۔ پسینہ مبارک کے قطرے آپ ﷺ کے چہرہ انور پر موتیوں کی طرح جھلکتے تھے۔[3]

---

(۱) ۱۔ دارمی، السنن، ۱: ۴۴، رقم: ۵۷
۲۔ نسائی، السنن الکبری، ۵: ۴۷۶، رقم: ۹۶۴۰
۳۔ حاکم، المستدرک، ۴: ۲۰۷، رقم: ۷۳۸۳
۴۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۲: ۲۰۶، رقم: ۱۸۴۲

(۲) ۱۔ دارمی، السنن، باب في حسن النبي ﷺ، ۱: ۴۴، رقم: ۶۰
۲۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۲۴: ۲۷۴، رقم: ۶۹۶
۳۔ بیہقی، شعب الإیمان، ۲: ۱۵۱، رقم: ۱۴۲۰
۴۔ ابن ابی عاصم، الآحاد والمثاني، ۶: ۱۱۶، رقم: ۳۳۳۵
۵۔ ابن عساکر، تاریخ مدینة دمشق، ۳: ۳۱۳

(۳) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۱۵۱، رقم: ۱۲۹۹
۲۔ ابن سعد، الطبقات الکبری، ۱: ۴۱۱۔۴۱۲
۳۔ ابن عساکر، تاریخ مدینة دمشق، ۳: ۲۶۱
۴۔ نمیری، أخبار المدینة، ۱: ۳۱۹، رقم: ۹۶۷
۵۔ هیثمی، مجمع الزوائد، ۸: ۲۷۲

۶۔ حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا ہنسنا تبسم تھا (یعنی صرف تبسم فرماتے)۔ آپ ﷺ کے دانت مبارک اُولوں کی طرح چمکتے تھے۔[۱]

۷۔ یہ حسن مصطفیٰ ﷺ کا عالم تھا اس لیے تو **حسان بن ثابت** رضی اللہ عنہ یہ کہنے پر مجبور ہو گئے

وَأَحْسَنُ مِنْکَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِي
وَأَجْمَلُ مِنْکَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ
خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِّنْ كُلِّ عَيْبٍ
کَأَنَّکَ قَدْ خُلِقْتَ کَمَا تَشَاءُ[۲]

(یا رسول اللہ!) آپ سے حسین تر میری آنکھ نے کبھی دیکھا ہی نہیں اور نہ کبھی کسی ماں نے آپ سے بڑھ کر کوئی حسین جنم ہی دیا ہے۔ آپ ہر عیب سے پاک پیدا کیے گئے ہیں، گویا کہ آپ کو آپ کی خواہش کے مطابق پیدا کیا گیا۔

امام قسطلانی فرماتے ہیں:

اعلم أن من تمام الإيمان به ﷺ، الإيمان بأن الله تعالى جعل خلق بدنه الشريف علىٰ وجه لم يظهر قبله ولا بعده مثله.[۳]

جان لو کہ یہ اتمامِ ایمان میں سے ہے کہ آقا ﷺ کے جسمِ اقدس کے حسن و جمال پر

(۱) ۱۔ ترمذی، الشمائل المحمدية: ۱۸۵، رقم: ۲۲۶
۲۔ ابن عساکر، تاریخ مدینة دمشق، ۳: ۳۴۴، ۳۴۵
۳۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۱: ۴۲۳
۴۔ ہیثمی، مجمع الزوائد، ۸: ۲۷۷

(۲) حسان بن ثابت، دیوان: ۲۱

(۳) ۱۔ قسطلانی، المواهب اللدنية، ۲: ۵
۲۔ مناوی، فیض القدیر، ۵: ۷۲

اس طرح ایمان لانا کہ حضور ﷺ جیسا حسین و جمیل نہ کبھی پہلے آیا تھا نہ بعد میں کبھی آ سکے گا۔

ایک اور مقام پر امام قسطلانی لکھتے ہیں:

لم يظهر لنا تمام حسنه ﷺ لأنه لو ظهر لنا تمام حسنه لما أطاقت أعيننا رؤيته.(1)

ہم پر حضور ﷺ کا حسن و جمال بتمام و کمال ظاہر نہیں ہوا کیونکہ اگر حسنِ مصطفیٰ ﷺ بتمام ہمارے سامنے آ جاتا تو ہماری نگاہیں آپ کے دیدار کی تاب نہ لا سکتیں۔

آقا ﷺ نے وصال مبارک سے قبل اپنی قمیص مبارک سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو دے کر فرمایا: یمن کے شہر قرن میں اویس رہتا ہے۔ میرے بعد اُن کے پاس چلے جانا اور میری یہ قمیص ان کو دے دینا اور کہنا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے تمہیں پیغام دیا ہے کہ میری امت کے لیے دعا کرنا۔ چنانچہ جب دونوں اصحاب آقا ﷺ کے وصال مبارک کے بعد حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور قمیص مبارک پیش کرتے ہوئے آقا ﷺ کا پیغام پہنچایا۔ ایک روایت میں ہے کہ جب واپس آنے لگے تو حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اے علی رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ آپ نے حضور نبی اکرم ﷺ کی مبارک ہستی کو دیکھا ہے؟ تو دونوں اصحاب نے جواب دیا کہ بحمد اللہ چالیس پچاس سال تک حضور نبی اکرم ﷺ کی زیارت سے شرف یاب ہوتے رہے ہیں۔ اس پر انہوں نے کہا جو آپ نے زیارت کی وہ تو آپ کی ذاتِ مقدسہ کا ایک پرتو تھا، اگر حقیقتِ محمدی کو دیکھ لیتے تو آپ کی آنکھیں بینا نہ رہتیں۔

۴۔ اِطاعتِ مصطفیٰ ﷺ

یہ ایک معروف قاعدہ ہے کہ آپ پر جس شخصیت کے حسن اخلاق، عدل و انصاف، جرأت و کردار، علم و فضل، فہم و فراست کی توانی (soundness) اور کمالات (perfection)

(۱) قسطلانی، المواهب اللدنية، ۲: ۵

بالکل واضح ہو جائے، جس کے کسی قول کو کوئی جھٹلا نہ سکے۔ اس کے درجہ کا کوئی فکر و فلسفے اور نظریے کا حامل نہ ہو تو جہاں آپ کے دل میں اس کے لئے محبت اور عقیدت کے جذبات پیدا ہوں گے وہیں آپ بے اختیار ہو کر زندگی بسر کرنے کے حوالے سے اس کے بود و باش، طرزِ عمل، اندازِ گفتگو الغرض ہر پہلو میں ہر ممکن حد تک اس کی پیروی کرنے لگتے ہیں۔ یہ ایک عمومی دنیاوی مثال ہے کہ جب بات محبوب کبریا، خاتم النبین حضور نبی اکرم ﷺ کی ہو تو کوئی اندازہ کر سکتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مبارک زندگیاں حضور نبی اکرم ﷺ کے اتباع میں کس قدر ڈھل گئی ہوں گی۔ چنانچہ آپ ﷺ کی ذات کی جملہ صفات عالیہ دیکھ کر ہر مسلمان کی اولین خواہش یہی ہوگی کہ زندگی کے ہر مرحلے پر حضور نبی اکرم ﷺ کی اطاعت پر ہر دم کمربستہ رہے۔

حضرت وہب بن منبہ تابعی فرماتے ہیں:

قرأت في أحد وسبعين كتابا أنه ﷺ أرجع الناس وأفضلهم رأيا، وفي رواية وجدت في جميعها. (١)

میں نے 71 کتابوں میں پڑھا ہے اور ایک روایت کے مطابق میں نے ساری کتب میں پڑھا ہے (جو یقیناً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی لکھی ہوئی ہوں گی) کہ حضور ﷺ سے بڑھ کر نہ کسی کی عقل ہے اور نہ کسی کا فہم ہے۔

پھر آپ ﷺ کی یہ فکر و دانش ایک طبقے یا ایک قوم کے لیے نہ تھی، اور نہ ہی ایک گروہ یا ایک زمانے کے لیے تھی کیونکہ اللہ رب العزت کا فرمان اقدس ہے:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا. (٢)

آپ فرما دیں: اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول (بن کر آیا) ہوں۔

---

(١) حلبي، السيرة الحلبية، ٣: ٤٥٤

(٢) الأعراف، ٧: ١٥٨

۵۔ پوری کائنات فکرِ مصطفیٰ ﷺ کے دائرۂ رحمت میں

حضور نبی اکرم ﷺ کی فکر صرف مسلمانوں کے لیے نہیں بلکہ پوری کائنات اور تمام انسانیت کے لیے تھی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ يَجِدُوْنَهٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ.[(۱)]

(یہ وہ لوگ ہیں) جو اس رسول (ﷺ) کی پیروی کرتے ہیں جو امی (لقب) نبی ہیں (یعنی دنیا میں کسی شخص سے پڑھے بغیر منجانب اللہ لوگوں کو اخبارِ غیب اورمعاش و معاد کے علوم و معارف بتاتے ہیں) جن (کے اوصاف و کمالات) کو وہ لوگ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو ایک طرف نبیِ اُمی کہہ دیا، تو دوسری طرف آپ ﷺ کے افکارِ عالیہ پوری انسانیت پر محیط کر دیے، آپ ﷺ کے علم کا دائرہ کار تمام زمانوں تک وسیع کر دیا۔ آپ ﷺ ایسے نبیِ امی ہیں کہ دنیا کے کسی معلم کی جرأت نہیں تھی کہ وہ معلمِ مصطفیٰ کہلائے۔ کیونکہ آپ ﷺ کو علم عطا کرنے والا خود رب کائنات ہے؛ جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا:

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰیo[(۲)]

ان کو بڑی قوّتوں والے رب نے (براہِ راست) علم (کامل) سے نوازاo

جسے شدت والے قوی رب نے سکھایا ہو اسے کون سکھا سکتا ہے؟

پھر دوسرے مقام پر فرمایا:

وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ ط وَکَانَ فَضْلُ اللهِ عَلَيْکَ عَظِيْمًاo[(۳)]

---

(۱) الاعراف، ۷: ۱۵۷

(۲) النجم، ۵۳: ۵

(۳) النساء، ۴: ۱۱۳

اور اس نے آپ کو وہ سب علم عطا کر دیا ہے جو آپ نہیں جانتے تھے، اور آپ پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہےo

اُمّی اس لیے ہیں کہ یہاں اس دنیا سے نہیں بلکہ اُس دنیا سے سیکھ کر آئے ہیں۔ صرف سیکھا ہی نہیں بلکہ ہر امر کا مشاہدہ بھی کیا۔ چنانچہ علم بعد میں وجود میں آیا جبکہ حضور ﷺ کو پہلے دکھا دیا گیا۔ حضور نبی اکرم ﷺ تلمیذ الرحمان ہونے کے باعث معلمِ کائنات ﷺ ہوئے۔ کائنات میں علم بعد میں پہنچا، مگر آپ ﷺ کو پہلے دکھایا گیا۔ کائنات تو خود حضور ﷺ کے نور کے پرتو سے وجود میں آئی۔ اللہ تعالیٰ نے نورِ محمدی کو کائنات کا مبدا و منبع بنایا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور ﷺ کی فکر کی رفعتوں، بلندیوں، گہرائیوں اور گیراؤں کو بیان کرنے سے زبان و قلم عاجز ہے۔ بلاشبہ دنیا بھر کے صاحب فکر و فن آپ ﷺ کے در کے خوشہ چیں ہیں۔

خالقِ کائنات نے جب انبیاء علیہم السلام سے میثاق لیا، جس کا ذکر اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورہ آل عمران میں کیا ہے تو اس وقت انبیاء علیہم السلام نے نورِ محمدی ﷺ کو دیکھا جو انہیں احاطہ کیے ہوئے تھا۔ انبیاء علیہم السلام نے عرض کیا: اے ہمارے مالک و مولیٰ! یہ کس کا نور ہے؟ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ میرے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کا نورِ عالی شان ہے، جس کی خاطر میں نے یہ ساری بزم کائنات سجائی ہے۔ حق تو یہ ہے کہ آپ ﷺ کی حقیقت کو رب تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اسی کیفیت غالب نے کیا خوب بیان کیا ہے:

غالبؔ ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کہ آں ذات پاک مرتبہ دان محمدؐ است

۶۔ علمِ مصطفیٰ ﷺ

۱۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَقَامًا، مَا تَرَکَ شَيْئًا يَکُوْنُ فِي مَقَامِهِ ذَالِکَ إِلٰی

قِيَامِ السَّاعَةِ إِلَّا حَدَّثَ بِهِ، حَفِظَهُ مَنْ حَفِظَهُ وَنَسِيَهُ مَنْ نَسِيَهُ.[1]

رسول اللہ ﷺ نے ہمارے درمیان ایک مقام پر کھڑے ہو کر خطاب فرمایا: آپ ﷺ نے اپنے اس دن کے قیام فرما ہونے سے لے کر قیامت تک کی کوئی ایسی چیز نہ چھوڑی، جس کو آپ ﷺ نے بیان نہ فرما دیا ہو۔ جس نے اسے یاد رکھا یاد رہ گیا اور جو اسے بھول گیا سو بھول گیا۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ﷺ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دن حضور ﷺ نے فرمایا:

سيكون في آخر أمتي رجال يركبون على السروج كأشباه الرجال.[2]

میری امت کے آخری دور میں ایک وقت ایسا آئے گا کہ اُس دور کے لوگ انسانوں کی شکل کی سواریوں پر سوار ہوں گے۔

۳۔ پھر ایک اور حدیث میں فرمایا:

رجال يركبون على المياثر.[3]

لوگ میاثر (موٹروں) پر سواری کر رہے ہوں گے۔

اہلِ لغت کہتے ہیں میاثر المواثر سے نکلا ہے جسے عربی لفظ المواطر (موٹر) کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے۔ گویا وہ سواری اس طرح کی نہیں ہوگی وہ موٹر کی سواری ہوگی، کاریں

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب القدر، باب وكان أمر الله قدرًا مقدورًا، ۶: ۲۴۳۵، رقم: ۶۲۳۰

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الفتن وأشراط الساعة، باب إخبار النبيﷺ فيما يكون إلى قيام الساعة، ۴: ۲۲۱۷، رقم: ۲۸۹۱

(۲) أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۲۳، رقم: ۷۰۸۳

(۳) حاكم، المستدرك، ۴: ۴۸۳، رقم: ۸۳۴۶

ہوں گی یا وہ ہوائی جہاز ہوں گے۔ دوسرے لفظوں میں وہ سائنسی ترقی کی طرف اشارہ تھا کہ اُس وقت لوگ جہازوں میں آرام دہ سیٹوں والی سواریوں پر بیٹھے ہوں گے۔

حضور نبی اکرم ﷺ مشاہدہ کے مقام پر مستقبل میں آنے والی ایجادات کو ملاحظہ فرما رہے تھے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے پرندوں کے اڑنے کی سائنسی (scientific) توجیہ بھی عطا فرمائی۔ صحابی فرماتے ہیں:

وما يحرك طائر جناحيه في السماء إلا أذكرنا منه علما. (۱)

آسمان میں جو پرندہ بھی اپنے بازو کھول کر حرکت کرتا ہے حضور ﷺ نے ہمیں اس کا علم بھی عطا فرما دیا۔

گویا آپ نے پرندوں کے اڑنے کا طریقہ کار (function) بھی بتا دیا جسے آج سائنس بیان کر رہی ہے۔

پھر فرمایا:

لا تقوم الساعة حتى يتقارب الزمان فتكون السنة كالشهر. (۲)

قیامت اُس وقت تک نہیں آئے گی جب تک زمانے سکڑ نہ جائیں حتی کہ سال ایک مہینہ کی طرح ہو جائے گا۔

یہاں آپ ﷺ نے زمان و مکان (space and time) کی بات فرمائی ہے۔ آپ ﷺ نے زمانوں کے سکڑنے اور ایک اکائی ہو جانے سے آگاہ فرمایا ہے۔

اِس وقت سراغ رسانی (intelligence) کے لئے جو آلات استعمال ہوتے ہیں، حضور نبی اکرم ﷺ نے ۱۴ سو سال قبل اس کی خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ایک وقت آئے گا

(۱) أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۱۵۳، رقم: ۲۱۳۹۹

(۲) ابن حبان، الصحيح، ۱۵: ۲۵۶، رقم: ۶۸۴۲

تمہارے جوتوں کے تسموں کی طرح کے آلات ہوں گے تم جہاں ہوں گے وہ تمہاری وہیں کی خبر دیں گے۔ دوسرے لفظوں میں وہ تمہاری جیبوں میں رکھے ہوئے چھوٹے چھوٹے آلات ہوں گے۔ (1)

بندہ گھر سے باہر جائے تو آلات بتا رہے ہوں گے کہ وہ کہاں پھر رہا ہے اور اس کے پیچھے اہل خانہ کیا کر رہے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ آپ ﷺ آلات کو بھی دیکھ رہے تھے۔ جن چیزوں کا آج سے کچھ عرصہ قبل وجود تک نہیں تھا، آپ ﷺ پندرہ سو سال قبل ان کا علم دے دے رہے تھے۔ اب کون ہے وہ جو علم مصطفیٰ ﷺ کا مقابلہ کر سکے؟

۷۔ رسولِ مکرم ﷺ کی کثیر اللسانی دسترس

حضور نبی اکرم ﷺ کائنات کے مصدر و منبع تھے۔ ایسے ہی حضور ﷺ بھی کائنات کی تمام زبانوں سے واقف و آشنا ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ام اللغات زبان عطا فرمائی۔

حضرت نافع بن عتبہ فرماتے ہیں:

كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي غَزْوَةٍ، قَالَ: فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ قَوْمٌ مِنْ قِبَلِ الْمَغْرِبِ. (2)

ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ میں تھے، حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس مغرب کی طرف سے ایک قوم آئی۔

مغرب (مراکش) کے شہر سے ایک سات رکنی وفد حضور ﷺ کی بارگاہ میں اسلام قبول

---

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۸۳، ۸۸، رقم: ۱۱۸۰۹، ۱۱۸۵۹
۲۔ حاكم، المستدرك، ۴: ۵۱۴، رقم: ۸۴۴۴
۳۔ عبد بن حميد، المسند، ۱: ۲۷۷، رقم: ۸۷۷

(۲) مسلم، الصحيح، كتاب الفتن وأشراط الساعة، باب ما يكون من فتوحات المسلمين قبل الدجال، ۴: ۲۲۲۵، رقم: ۲۹۰۰

کرنے کی نیت سے آیا۔ تاریخ گواہی دیتی ہے حضور ﷺ کبھی مغرب (مراکش) میں ظاہری طور پر تشریف نہیں لے گئے تھے مگر وہ جیسے ہی بیٹھے حضور ﷺ نے مغربی زبان میں گفتگو شروع کر دی۔ وہ اپنی زبان میں سوال پر سوال کیے جا رہے ہیں اور آقائے دو جہاں ﷺ اُن کی زبان ہی میں ان کی تسکین کرتے جا رہے ہیں۔

پھر فرماتے ہیں:

فأسلموا ورجعوا إلٰى بلادهم.

وہ اسلام لا کر محمد مصطفیٰ ﷺ کا پیغام لے کر اپنے شہر چلے گئے۔

یہ وہ سات لوگ تھے جن کی وجہ سے مغرب میں اسلام پھیلا۔

یہ نبی آخر الزمان محمد عربی ﷺ کی شان ہے کہ کہلاتے تو عربی ہی ہیں مگر ضرورت پڑنے پر عجمی زبانوں میں بھی کمالِ انداز سے گفتگو فرماتے ہیں۔

اسی طرح صحابہ کرام ﷺ عرض کرتے ہیں کہ بربر سے ایک قافلہ آیا:

اجتمعوا مع النبي ﷺ وكلمهم بلسان البربري.(1)

حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں بربر والے آئے تو حضور ﷺ نے اُن سے بربری زبان بولنا شروع کر دی۔

پھر فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے وصال سے تین دن قبل دو وفود آئے۔ اُن میں ایک وفد ہندوستان (سندھ) سے آیا اور دوسرا وفد افریقہ سے آیا۔ آقا ﷺ نے سندھ والوں سے سندھی اور افریقہ والوں سے افریقی زبان میں گفتگو کی۔

ایک مرتبہ آقا ﷺ کی بارگاہ میں جنات آئے۔ وہ فارسی زبان میں کلام کرتے تھے۔

---

(1) ابن یعقوب الولالی، مباحث الانوار
ابی عبد اللہ الجندوز
ذیانی، الترجمانة الکبریٰ

آ قا علیہ السلام کی بارگاہ میں ایک فارسی وفد آیا، حضور ﷺ نے ان دونوں وفود سے فارسی زبان میں کلام فرمایا۔ اندازہ کیجیے کہ کوئی موصل، کوئی نصیبین، کوئی یمن سے حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو رہا ہے۔ حضور ﷺ نے اُن سب سے ان کی زبان میں تبلیغ فرمائی۔ الغرض حضور ﷺ کی خدمت میں جس قوم کا بھی کوئی فرد آیا، آپ ﷺ نے اس سے اُسی کی زبان میں گفتگو فرمائی۔

حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک روز ہم آ قا علیہ السلام کی بارگاہ میں بیٹھے تھے کہ ایک بوڑھا شخص حضور ﷺ کی بارگاہ میں عصا پکڑے لنگڑاتا ہوا آیا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ! میں عالمِ جنات سے آیا ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: تمہارا نسب کیا ہے؟ کہنے لگا:

أنا هامة بن هيم بن لاقيس بن إبليس.

میں ہام بن ہیم بن لاقیس بن ابلیس ہوں۔

اس نے بتایا کہ وہ ابلیس کا پڑپوتا ہے۔

آ قا علیہ السلام نے فرمایا: اس کا مطلب ہے کہ تمہارے اور ابلیس کے درمیان تمہارے باپ اور دادا کے دو واسطے ہیں۔ کہنے لگا: ہاں! یا رسول اللہ! جب قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تھا تو میں اُس وقت چھوٹا بچہ تھا۔ جب ابراہیم علیہ السلام کا دور آیا میں ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لایا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کا دور آیا تو میں موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لایا۔ موسیٰ علیہ السلام نے مجھے تورات پڑھائی میں نے پڑھی۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام کا دور آیا تو میں عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لایا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنی کتاب انجیل مجھے پڑھائی۔ اب میں آپ ﷺ کی بارگاہ میں ایمان لایا ہوں، اب چاہتا ہوں آپ ﷺ بھی اپنا قرآن مجھے پڑھائیں۔

پھر عرض کرنے لگا: یا رسول اللہ! اب اجازت ہو تو ایک بات عرض کروں؟ فرمایا: کرو۔ کہنے لگا: جب میں عیسیٰ علیہ السلام کے پاس گیا انہوں نے اپنی انجیل مجھے پڑھائی۔ عیسیٰ علیہ السلام انجیل کا درس دے کر مجھے کہنے لگے: اے ہام! سن لو وہ دور آنے والا ہے جب تو میرے بعد نبی آخر الزماں ﷺ سے ملاقات کرے گا، جب تیری ان سے ملاقات ہو تو میرے بھائی محمد مصطفیٰ

ﷺ کو میرا سلام کہنا۔ حضور ﷺ کی چشمانِ اقدس سے آنسو رواں ہو گئے۔ آپ ﷺ نے نم ناک آنکھوں کے ساتھ سلام کا جواب دیا۔ پھر وہ کہنے لگا: مجھے اپنا امتی بنا لیں۔ پھر حضور ﷺ نے قرآن مجید کی دس سورتیں پڑھا دیں۔ ابھی دس سورتیں پڑھائی ہی تھیں کہ اسی اثنا میں اس کا وصال ہو گیا۔ (۱)

۸۔ حلمِ مصطفیٰ ﷺ

۱۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ نجد کی جانب سفر کیا۔ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ہمیں اپنے ساتھ ایک کانٹے دار درختوں والی بڑی وادی میں پایا۔ حضور نبی اکرم ﷺ ایک درخت کے نیچے آرام فرما ہوئے اور اپنی تلوار اس درخت کے ساتھ لٹکا دی۔ دیگر صحابہ حضرات رضی اللہ عنہم درختوں کے سائے میں ادھر اُدھر بکھر کر آرام کرنے لگے۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ پھر جب ہم سب بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب میں سو رہا تھا تو میرے پاس ایک شخص آیا اور میری تلوار پکڑ لی، پس میں بیدار ہو گیا، اور دیکھا کہ وہ شخص میرے سر پر کھڑا تھا، میں نے دیکھا کہ سونتی ہوئی تلوار اس کے ہاتھ میں ہے۔ اُس نے مجھ سے پوچھا: اے محمد! اب آپ ﷺ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ میں نے جواب دیا: اللہ! پھر اس نے دوسری مرتبہ کہا کہ آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ میں نے کہا: اللہ! تو اُس نے تلوار نیام میں ڈال لی، پس وہ شخص یہ بیٹھا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اُس سے کوئی باز پرس نہ فرمائی۔ (۲)

(۱) رازی، التفسیر الکبیر، ۲۸:۲۸

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجهاد والسیر، باب من علق سیفه بالشجر في السفر عند القائلة، ۳: ۱۰۶۵۔۱۰۶۶، رقم: ۲۷۵۳۔۲۷۵۶

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب المغازي، باب غزوة ذات الرقاع، ۴: ۱۵۱۵، رقم: ۳۹۰۵

۳۔ مسلم، الصحیح، کتاب الفضائل، باب توکله علی الله تعالی وعصمة الله تعالی له من الناس، ۴: ۱۷۸۶، رقم: ۸۴۳

حضور ﷺ کی رحمت جیسی کسی نے رحمت نہ دیکھی ہو گی، حضور ﷺ کے حلم جیسا کسی نہ حلم نہ دیکھا ہوگا اور حضور ﷺ کی سخاوت جیسی سخاوت کسی نے نہ دیکھی ہو گی۔

۲۔ غزوۂ حنین میں تمام قبائل نے مل کر اسلام کے خلاف جنگ کے لئے صف آرائی کی۔ اللہ تعالیٰ نے ابتدا میں مسلمانوں کو آزمائش سے دو چار کیا مگر آخر کار فتح سے نوازا۔ قبیلہ حوازن اور بنو سعد سمیت دیگر قبائل کے سات ہزار لوگوں کو جنگی قیدی بنا لیا گیا۔ ان میں آپ ﷺ کی (رضاعی بہن) شیما بھی شامل تھی۔ فرمایا: شیما کو بلاؤ جب وہ آئیں تو آپ ﷺ نے اپنی چادرِ رحمت بچھا کر اپنی اس رضاعی بہن شیما کا استقبال کیا۔ آپ ﷺ کی چشمانِ مقدسہ میں آنسو آ گئے اور فرمایا: جاؤ شیما بہن تمہیں آزاد کیا۔ وہ کہنے لگیں یا رسول اللہ ﷺ! اُس وقت تک میں نہیں جاؤں گی جب تک اپنے قبیلہ کے دیگر چھ ہزار افراد کو آزاد نہ کروا لوں۔ حضور ﷺ باہر تشریف لائے چشمانِ مقدس میں آنسو تھے فرمایا: اے میرے صحابیو! سن لو میں نے شیما بہن کے صدقے چھ ہزار کو معاف کر دیا۔ ایسا کرم، ایسی رحمت اور شفقت بھلا کس نے دیکھی ہو گی جو محمد مصطفیٰ ﷺ کا خاصہ تھی۔

مدینہ منورہ کی وادی میں بکریوں کا بڑا ریوڑ چر رہا تھا۔ ایک قبیلے کا بوڑھا شخص حضور ﷺ کی بارگاہ میں آ کر عرض کرنے لگا: یا رسول اللہ! میرا قبیلہ بھوک سے مر رہا ہے، وہ جو آپ کی بکریاں چر رہی ہیں وہ مجھے عطا کر دیجئے۔ حضور ﷺ نماز چھوڑ کر باہر تشریف لے آئے اور کہنے لگے: یہ ساری بکریاں تجھے دیں جاؤ اور ذبح کر کے قبیلے والوں کو کھلاؤ۔ وہ بندہ چلا گیا اور جا کر اعلان کر دیا:

يا قوم، أسلموا فإن محمدا يعطي عطاء لا يخشي الفاقة. (۱)

اے قبیلے والو! اسلام لے آؤ۔ محمد مصطفیٰ ﷺ جب عطا کرتے ہیں تو کسی کو فاقہ میں نہیں رہنے دیتے۔

---

(۱) مسلم، الصحيح، كتاب الفضائل، باب ما سئل رسول الله شيئا قط فقال لا وكثرة عطائه، ۴: ۱۸۰۶، رقم: ۲۳۱۲

رسولِ مکرم ﷺ کی ایسی شفقت اور عطا کے مظاہرے صحابہ کرام ؓ صبح و شام دیکھتے تھے، جس کی مثال قیامت تک کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا۔

۹۔ صدقِ مصطفیٰ ﷺ

کسی شخصیت کے عظیم ہونے کی یہ شان ہے کہ اپنے پرائے سبھی اس کی خوبیوں کا اعتراف کریں۔ بلاشبہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے حبیب حضور نبی اکرم ﷺ کو ایسی بے مثال خوبیوں اور صفاتِ عالیہ سے نوازا تھا کہ ان کے جانی دشمن بھی آپ کے صدق کو تسلیم کیے بغیر نہ رہ سکے۔

۱۔ اخنس بن شریق روایت کرتے ہیں کہ غزوۂ بدر میں میرا آمنا سامنا ابوجہل سے ہو گیا۔ میں اُس کے قریب ہوا اور کہا اے ابو الحکم اس وقت تیرے اور میرے سوا کوئی بھی گفتگو نہیں سن رہا۔وہ کہنے لگا: پوچھو کیا پوچھتے ہو؟ میں نے پوچھا:

أمحمد صادق أم كاذب؟

محمد ﷺ سچے ہیں یا جھوٹے ہیں؟

ابوجہل نے اردگرد دیکھا کہ کوئی سن تو نہیں رہا کہنے لگا: خدا کی عزت کی قسم! میں نے ساری زندگی مصطفیٰ ﷺ کو سچا پایا ہے۔(۱)

ہر کسی نے حضور ﷺ کو صادق و امین اور وفا شعار پایا۔ درحقیقت کامل وہ ہوتا ہے جسے دیکھ کر دشمن بھی بولے کہ اس جیسا کوئی اور نہیں۔ جہاں تک اپنوں کا تعلق ہے، آپ ﷺ کی صحبتِ مقدسہ نے مومنین کے دلوں میں خدائے بزرگ و برتر کی ایسی محبت جاگزیں کر دی کہ اظہارِ بندگی میں اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کرنا ان کے لیے چنداں مشکل نہ تھا۔

۲۔ روم کے ایک شہر میں جنگ کے دوران دو بھائی گرفتار کیے گئے۔ سپاہیوں نے ان کو گرفتار کر کے شہنشاہِ روم کے سامنے پیش کر دیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ ایک بھائی کو اُس بڑے

(۱) قرطبی، الإعلام بما في دين النصارى:۳۰۳

کٹہرے میں کھڑا کر دیا جائے اور دوسرے بھائی کو اس کے سامنے جلا کر راکھ کر دیا جائے۔ چنانچہ ایک بھائی کو سرِ عام شہید کر دیا گیا جب کہ دوسرے بھائی کے کفر سے انکار پر قتل کرنے کا وقت آیا تو وزیر نے کہا: اے بادشاہ! مجھے چند دن کی مہلت دو۔ میں خود اسے کفر اختیار کرنے پر قائل کروں گا اور یہ آخرکار اپنے نبی کو چھوڑ دے گا۔ بادشاہ نے مقررہ مدت تک کفر پر آمادہ کرنے کی مہلت دیتے ہوئے اس نوجوان کو اس کے سپرد کر دیا۔ وزیر اسے لے کر اپنے محل میں چلا گیا۔ وہ اپنی حسین و جمیل بیٹی کے پاس آیا اور کہنے لگا: بیٹی! آج میں ایک شکار پکڑ کر لایا ہوں۔ تجھے میں ایک مہینہ دیتا ہوں اُسے اپنے حسن کا دیوانہ بنا کر اسلام سے دور کر دے۔ جیسے ہی رات ڈھلتی وہ نوجوان وضو کر کے ہر روز مصلے پر نماز ادا کرتا، آیات قرآنی کی تلاوت کرتا اور رات بھر حمد ومناجات میں مشغول رہتا۔ وہ دوشیزہ بناؤ سنگھار کر کے سامنے آتی اور ہر حربہ استعمال کرتی بالآخر مایوس ہو کر واپس چلی جاتی۔ وہ یہ عمل کئی بار دہراتی لیکن جوان اس کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنا بھی گوارہ نہ کرتا تھا۔

وہ حسینہ اسی طرح آتی اور جاتی رہی، مگر وہ جوان اپنے عزمِ مصمم کے ساتھ اسی روش پر قائم رہا۔ آخر کار مقررہ مدت اختتام تک پہنچ گئی، مگر اس کافر حسینہ کا کوئی حربہ کامیاب نہ ہو سکا۔ آخر وہ دوشیزہ آنسو بہا کر اسے کہنے لگی، مجھے تو اپنے حسن و جمال پر بڑا ناز تھا، مگر خدارا مجھے یہ بتا دو کہ تم نے مجھ سے زیادہ کون سا حسین دیکھا ہے؟ جو میری طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ انہوں نے کہا کہ یہ بات میں ایسے نہیں بتاؤں گا، پہلے ایمان لاؤ۔ وہ ایمان لے آئی اور اسی رنگ میں رنگی گئی جس کا رنگ اس نوجوان پر چڑھا ہوا تھا۔ دوشیزہ نے اپنے والد کو پیغام بھیجا کہ تیری بیٹی کامیاب ہوگئی۔ اب دو گھوڑے بھیج دو تاکہ میں اسے سیر کروا آؤں۔ گھوڑے پہنچا دیے گئے، ادھر وہ سوار ہو کر چل پڑے، راستے میں دور سے دیکھا کہ ایک سفید لباس میں ملبوس فوج آ رہی ہے وہ دوشیزہ کہتی ہے: شاید میرے بابا کو پتہ چل گیا ہے۔

جب قریب ہوئے تو معلوم ہوا کہ سفید لباس میں ملبوس فرشتے آ رہے ہیں اور ساتھ میں اس کا شہید بھائی بھی تھا جس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی تھی۔ وہ خصوصی طور پر جنت سے آیا تھا تاکہ ان دونوں کا نکاح پڑھا سکے۔ چنانچہ ان دونوں کا نکاح پڑھا کر انہیں

مدینہ پہنچا دیا گیا، جہاں دونوں جہاں کی رحمت حضور نبی اکرم ﷺ کی صورت میں جلوہ افروز تھی۔

۱۰۔ پیغام

حقیقت یہ ہے کہ یہ دنیا دل لگانے کی جگہ نہیں بلکہ چند روزہ چکا چوند روشنیوں پر مبنی ایک فریب ہے، لہٰذا اس دنیا کو خود پر غالب نہ آنے دو۔ اس دنیا کے عارضی حسن کی بجائے جمالِ مصطفیٰ ﷺ کے اسیر ہو جاؤ۔ جیسے ڈاکٹر علامہ محمد اقبال نے فرمایا تھا:

خیرہ نہ سکا مجھ کو جلوۂ دانشِ فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

اپنی زندگی کے شب و روز نسبتِ مصطفیٰ ﷺ، اطاعتِ مصطفیٰ ﷺ اور توقیرِ مصطفیٰ ﷺ کے رنگ میں رنگتے ہوئے مالکِ حقیقی کی دائمی بندگی اختیار کر لو۔ امت مسلمہ اس وقت زوال کا شکار ہے۔ اس ذلت و رسوائی سے نجات کی ایک ہی راہ ہے کہ غلامی مصطفےٰ ﷺ اختیار کر کے خدائے واحد کی وحدانیت کا علم تھام کر میدانِ عمل میں اترا جائے۔ آج اتحادِ امت کی اشد ضرورت ہے۔ حضور ﷺ کی نسبت میں فنائیت کی ضرورت ہے۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا یہی پیغام ہے کہ حضور ﷺ کی نسبت میں فنا ہو کر خدا کی بندگی اختیار کر لو۔حضور نبی اکرم ﷺ کی نسبت کا تقاضا ہے کہ باہم جڑ کر ایک ہو جائیں۔ انتہا پسندی، شدت پسندی، دہشت گردی کے خلاف امن کا پیغام لے کر کھڑے ہو جائیں۔ یہ حضرت شیخ الاسلام کا مقصدِ حیات ہے کہ مسلمان عشقِ مصطفیٰ ﷺ سے سرشار ہو کر ظلم کے خلاف سیسہ پلائی دیوار کی طرح سر بکف ہو جائیں اور مصطفوی انقلاب کے لیے تن، من اور دھن کی قربانی سے دریغ نہ کریں۔ اگر ایسا ہوا تو وہ دن قریب نہیں جب مصطفوی انقلاب کے پھریرے چار سو لہرا رہے ہوں گے اور عشقِ مصطفیٰ کی وہ بھولی بسری داستان دنیا بھر میں پھر سے دہرائی جائے گی۔

باب نمبر 3

حضوریِ رِسالت بطریقِ اِتباع

پچھلے باب میں ہم نے جائزہ لیا کہ وہ کون سے امور ہیں، جن کی وجہ سے تمام وسائل کی بہتات کے باجود امتِ مسلمہ کا زوال کا شکار ہے۔ سیر حاصل بحث کے بعد معلوم ہوا کہ من حیث الامت ہم دینِ اسلام کی بنیادی شرط ہی سے بے خبر ہیں۔ حکیم الامت ڈاکٹر علامہ محمد اقبال نے اسی شرط کے بارے میں واضح طور پر فرما دیا تھا:

محمدؐ کی غلامی دینِ حق کی شرطِ اول ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

یہی وجہ ہے کہ ہم تمام وسائل موجود ہو جانے کے باوجود دنیا میں ایک ادھوری اور نامکمل امت کے طور پر تصور کیے جاتے ہیں۔ گذشتہ باب میں اسی نکتہ پر بحث کرتے ہوئے واضح کیا کہ ایمان کا محور و مرکز رسولِ مکرم ﷺ کی ذاتِ مبارکہ ہے۔ ہمارے تمام مسائل کا حل ان کے در سے جڑ جانے اور ان کی تعلیمات کو اپنے عمل میں ڈھالنے میں مضمر ہے۔ اس باب میں ہم محسنِ انسانیت محمد ﷺ کی ذاتِ مبارکہ سے جوڑنے اور زندگی کے ہر قدم پر ان کی سنت کی اتباع کے حوالے سے بحث کریں گے۔ اس حوالے سارے باب کا محور و مرکز ہی حضور نبی اکرم ﷺ کی اتباع سے تعلق استوار کرنے کی ضرورت پر ہے۔

ا۔ حضور ﷺ سے تعلقِ ظاہری وصوری

آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ اقدس کے ساتھ نسبت، ربط اور تعلق کی بنیادی طور پر دو اشکال ہیں:

ا۔ تعلق صوری

۲۔ تعلق معنوی

آقا ﷺ کے ساتھ نسبت اور غلامی کے ظاہری تعلق کو تعلقِ صوری کہتے ہیں اور باطنی تعلق کو تعلقِ معنوی کہتے ہیں۔ آقا ﷺ سے ظاہری نسبت قائم کرنے کی اصل بنیاد اتباعِ رسالتِ محمدی ہے۔

اللہ رب العزت نے اس کے لئے ارشاد فرمایا ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ○(۱)

اے ایمان والو! تم اللہ کی اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اور اس سے رُوگردانی مت کرو حالاں کہ تم سن رہے ہو○

اس رشتے اور تعلق کو استوار اور مضبوط کرنے کے لئے ایک اور مقام پر فرمایا ہے:

قُلْ اَطِیْعُوا اللهَ وَالرَّسُوْلَ.(۲)

آپ فرما دیں کہ اللہ اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو۔

پھر فرمایا:

وَ اَطِیْعُوا اللهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ○(۳)

اور اللہ کی اور رسول (ﷺ) کی فرمان برداری کرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے○

پھر ایک اور مقام پر فرمایا:

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللهَ.(۴)

---

(۱) الأنفال، ۸:۲۰

(۲) آل عمران، ۳:۳۲

(۳) آل عمران، ۳: ۱۳۲

(۴) النساء، ۴: ۸۰

جس نے رسول (ﷺ) کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ (ہی) کا حکم مانا۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی احادیث مبارکہ میں بھی کئی مقامات پر اطاعت مصطفیٰ ﷺ سے اسی ظاہری تعلق کو مضبوط کرنے کی ضرورت و اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ، وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَا اللهَ.(1)

جس نے میری اطاعت کی گویا اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی گویا اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور نبی اکرم ﷺ سے نسبت کی ظاہری بنیاد اتباع پر قائم ہے اور باطنی بنیاد مصطفیٰ ﷺ کی ذات سے محبت پر قائم ہے۔ جب تک یہ دونوں نسبتیں باہم اکھٹی نہیں ہوتیں اس وقت تک مکینِ گنبدِ خضریٰ ﷺ کی حضوری ممکن نہیں ہے۔ جب تک ان دونوں نسبتوں کو دوام ملتا رہے گا تو تب تک ارتضیٰ و ارتقاء نصیب ہوتا رہے گا۔ یہ دونوں نسبتیں جتنی مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی جائیں گی اتنی ہی بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ سے نسبت و فیوضات کی نوازشات میں بتدریج اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ اگر یہ تعلق دونوں سمتوں میں سے کسی ایک سمت سے بھی کم زور پڑے گا تو عشقِ مصطفیٰ ﷺ کے فیوضات میں بھی کمی واقع ہوتی جائے گی۔ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت اور غلامی کے ظاہری تعلق کے چار مراحل ہیں:

۱۔ مرحلہ اتباعِ رسالت

۲۔ مرحلہ کمالِ اتباعِ رسالت

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأحکام، باب قول اللہ تعالی: أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ [النساء: ۵۹]، ۶: ۲۶۱۱، رقم: ۶۷۱۸

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجهاد، باب یقاتل مِن وراء الإمام ویُتّقی به، ۳: ۱۰۸۰، رقم: ۲۷۹۷

۳۔ مسلم، الصحیح، کتاب الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء فی غیر معصیة وتحریمها فی المعصعیة، ۳: ۱۴۶۶، رقم: ۱۸۳۵

۳۔ مرحلہ کمالِ اتباعِ رسالت پر مواظبت اور مداومت

۴۔ مرحلہ اس کمالِ اتباعِ رسالت پر مواظبت و مداومت کی استقامت

(۱) اِتباعِ رسالت

اتباعِ رسالت حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ طیبہ اور اسوۂ حسنہ کے ساتھ ایک تعلق استوار کرنے کا نام ہے۔ حضور ﷺ کی سیرت طیبہ، حضور ﷺ کے اسوۂ حسنہ اور جمالِ مصطفیٰ ﷺ سے وارفتگی کی ایک نسبت مل جائے تو ظاہری تعلق کا پہلا مرحلہ طے ہو جاتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی اتباع بصارتوں کا نور اور دلوں کا سرور ہے۔ یہ خوف زدہ لوگوں کے لئے جنت اور بھٹکے ہوؤں کے لئے صراطِ مستقیم تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ یہ مرحلہ ہر مسلمان سے آپ ﷺ کی کامل اطاعت اور آپ ﷺ کے دین کی ہر ممکن مدد و نصرت کا تقاضا کرتا ہے تاکہ امت ہر قسم کی نظریاتی تشکیل اور غیر مسلم مغربی مفکرین کی متعصّبانہ سوچ کو غیر مؤثر کر دے۔ اتباعِ رسالت مآب سے امتی حضور نبی اکرم ﷺ کے حسن اخلاق، حسن معاشرت، شجاعت و دلیری، صبر و تحمل، صداقت و امانت، تدبر و بصیرت، عدالت و فقاہت، جود و سخا اور رحمت جیسے عظیم خصائل و عادات کا علم حاصل کرتا ہے۔ اس طرح وہ رسولِ مکرم ﷺ کے اوصاف حمیدہ کے باعث آپ ﷺ کو ایک عظیم بے مثال انسان کے روپ میں دیکھنا شروع کر دیتا ہے۔ یہ سوچ امتی کے دل میں آپ ﷺ کی محبت کا محرک بنتی ہے۔

(۲) کمالِ اِتباعِ رسالت

دوسرے مرحلے میں امتی تب داخل ہوتا ہے جب وہ اتباعِ رسالت میں کمال حاصل کر لیتا ہے اور اس کے شب و روز اسی کے رنگ میں رنگتے چلے جاتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللهُ.[۱]

(۱) آل عمران، ۳: ۳۱

(اے حبیب!) آپ فرما دیں: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔

پھر فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ.[1]

فی الحقیقت تمہارے لیے رسول اللہ (ﷺ کی ذات) میں نہایت ہی حسین نمونۂ (حیات) ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی نسبتِ تعلق استوار ہو جانے کے بعد امتی آپ ﷺ کی سیرت، صورت اور تعلیمات کی منور رو میں بہتا چلا جاتا ہے۔ جب اس اتباع میں دوام، کمال اور جامعیت نصیب ہو جائے، تو یہ کمال اتباع کی علامت ہے۔ جیسے جیسے تعلق بڑھتا چلا جاتا ہے ویسے ویسے اتباع میں بھی کمال آتا چلا جاتا ہے جس کے لئے اللہ رب العزت نے فرمایا:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا○[2]

پس (اے حبیب!) آپ کے رب کی قسم یہ لوگ مسلمان نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ وہ اپنے درمیان واقع ہونے والے ہر اختلاف میں آپ کو حاکم بنالیں پھر اس فیصلہ سے جو آپ صادر فرما دیں اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں اور (آپ کے حکم کو) بخوشی پوری فرمان برداری کے ساتھ قبول کر لیں○

(۳) اِتباعِ رسالت پر مداومت

اس مقام پر امتی اپنی ہر خواہش کو برضا و رغبت حضور نبی اکرم ﷺ کی چاہت میں گم کر دیتا ہے اور وہ اپنے ہر عمل کو معیارِ رسالت کی روشنی میں ڈھالنے میں کوشاں رہتا ہے۔ وہ جب اتباعِ رسالت کے راستے کے مراحل طے کرتا چلا جاتا ہے تو حضور ﷺ کی ذات، صفات،

(۱) الأحزاب، ۳۳: ۲۱

(۲) النساء، ۴: ۶۵

انوار و تجلیات اور پھر صورت و سیرت میں دوام کے ساتھ فنا ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس مقام پر اس کی پسند اپنی پسند نہیں رہتی بلکہ اس کا انتخاب مصطفیٰ ﷺ کا انتخاب بن جاتا ہے۔ یوں اس کی ترجیحات بدل جاتی ہیں اب اس کے اعتقادات، افکار، تخیلات، نظریات و تصورات کاملاً مصطفیٰ ﷺ کے تابع ہو جاتے ہیں۔ اس مقام پر اس کو مزاجاً، قولاً اور فعلاً حتیٰ کہ طبعًا بھی تابعیت ملتی ہے۔ جب محبّ مصطفیٰ کو کامل متابعت مصطفیٰ نصیب ہو جائے تو اسے کمالِ اتباع کہتے ہیں۔

جب کمال اتباع مل جائے تو پھر وہ نادانستہ بھی اپنا کوئی عمل حضور ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے خلاف نہیں کرتا۔ اس کا مزاج اور ذوق بھی حضور ﷺ کے مزاج و ذوق کے تابع ہو جاتا ہے، اس کی ترجیحات حضور ﷺ کی ترجیحات میں فنا ہو جاتی ہیں۔ اس کی پسند و ناپسند تابع رسالت ہو جاتی ہے۔ غرضیکہ اس مقام پر وہ اعتقادی، عملی، فکری، اخلاقی اور طبعی فنائیت کا حامل ہو جاتا ہے کہ اس اتباع میں جب محبّ کو جامعیت و کاملیت مل جائے تو پھر وہ مرحلہ مواظبت علی کمال اتباع میں منتقل ہو جاتا ہے۔

اس مواظبت و مداومت میں پھر وہ حضور ﷺ کی صفات میں کاملاً فنا ہو جاتا ہے، اب اس کے شب و روز حضور ﷺ کی یاد میں گزرتے ہیں۔ وہ حضور ﷺ کے آثار کا متلاشی رہتا ہے، آپ ﷺ کے محبین کو ڈھونڈتا پھرتا ہے، جہاں حضور ﷺ کا کوئی محبّ مل جائے تو وہ اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہے، جب یہ مواظبت نصیب ہو جائے تو پھر یہ مواظبت متعلقہ (incidental) نہیں رہتی بلکہ یہ دائمی (permanent) ہو جاتی ہے۔

(۴) کمال اتباعِ رسالت میں استقامت

اس مقام پر وہ جس حال میں بھی ہو، حضور ﷺ کی متابعت میں کمال درجے پر فائز رہتا ہے۔ اس کا اٹھنا بیٹھنا سونا جاگنا حضور ﷺ کی متابعیت میں بسر ہوتا ہے۔ اس کی ہر جدوجہد خواہ وہ قلم اٹھا کر لکھتا ہے یا زبان سے کلام کرتا ہے وہ تمام متابعتِ مصطفیٰ ﷺ سے مزین ہوتی ہے۔ اگر وہ سوچتا ہے تو تب بھی متابعت میں اپنے دماغ کو استعمال کرتا ہے، وہ سمجھتا بھی ہے تو متابعیت میں ہی سمجھتا ہے۔ وہ جو بھی عمل کرتا ہے وہ متابعتِ رسالت میں ہی کرتا ہے۔ جب

اس کی زندگی کا لمحہ لمحہ متابعتِ مصطفیٰ ﷺ میں مستقلاً قائم و دائم ہو جاتا ہے تو اس وقت اسے کمالِ اِتباعِ مصطفیٰ ﷺ میں استقامت نصیب ہو جاتی ہے۔

اب اس مرحلے پر ہم دیکھتے ہیں کہ وہ سے کون خوش نصیب ہیں، جنہیں کمالِ اتباعِ رسالت میں استقامت ملی؟ یہ صحابہ تھے جن کی زندگی کا مقصد اتباعِ مصطفیٰ ﷺ اور رضائے مصطفیٰ ﷺ تھا، ان کی ہر کوشش کا محور و مرکز حضور ﷺ کی خوشنودی تھا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

إِنَّ اللهَ بَعَثَ إِلَيْنَا مُحَمَّداً ﷺ وَلَا نَعْلَمُ شَيْئاً، فَإِنَّمَا نَفْعَلُ كَمَا رَأَيْنَاهُ يَفْعَلُ. (1)

بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کی ہم میں بعثت فرمائی ہم کو کسی چیز کا علم نہیں تھا ہم جو کچھ بھی نبی اکرم ﷺ کو کرتا دیکھتے اُس پر عمل کرتے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے کہ ہم تو صحراؤں میں بھٹکتے پھرتے تھے۔ اللہ رب العزت نے کرم کیا کہ اپنا مصطفیٰ ﷺ ہمیں عطا کر دیا۔ ہم حضور ﷺ کو جو بھی عمل کرتے ہوئے دیکھتے تو اس کی پیروی کرتے چلے گئے۔ اس طرح ہمارا اسلام کامل سے کامل تر اور پھر کامل ترین ہوتا چلا گیا۔ ہمیں نہ کعبہ کی خبر تھی، نہ نماز کی، نہ روزہ کی، نہ ہی کسی اور شے کا علم تھا۔ ہمیں تو حضور ﷺ جو بھی خبر دیتے اس کی متابعت میں زندگی بسر کرتے رہتے۔ ہم نے تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر صرف دامنِ مصطفیٰ ﷺ تھام لیا تھا۔ پس جو کچھ مصطفیٰ ﷺ کرتے رہے، وہی کچھ ہم کرتے رہے۔ اس طرح ہمارا ایمان مکمل ہوتا چلا گیا۔ ہمارا تعلق ہر اُس شے سے جڑا ہوا ہے جس کا تعلق ذاتِ مصطفیٰ ﷺ سے منسلک ہے۔

تجھ سے در، در سے سگ، سگ سے نسبت مجھ کو
میری گردن میں بھی ہے دُور کا ڈورا تیرا

(۱) ابن حبان، الصحیح، ۴: ۳۰۱، الرقم: ۱۴۵۱

اب وہ صحابی جو متابعتِ مصطفیٰ ﷺ میں زندگی بسر کر رہے تھے تو اللہ رب العزت کبھی کبھی ان کو بھی جانچتا تھا کہ ان کی متابعت اپنے کمال کو پہنچی ہے یا نہیں۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا:

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ. (1)

اور آپ پہلے جس قبلہ پر تھے ہم نے صرف اس لیے مقرر کیا تھا کہ ہم (پرکھ کر) ظاہر کر دیں کہ کون (ہمارے) رسول (ﷺ) کی پیروی کرتا ہے (اور) کون اپنے الٹے پاؤں پھر جاتا ہے۔

اللہ رب العزت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی استقامت کو آزماتا تھا کہ یہ جو دن رات صحبت مصطفیٰ میں اپنی زندگیاں بسر کرتے ہیں، ان کا مرکز ومحور ذات مصطفیٰ ﷺ ہی ہے یا کچھ اور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اب آزمائے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنا رخ پہلے قبلہ کی طرف ہی مرکوز رکھتے ہیں یا حضور نبی اکرم ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے اپنا رخ بیت اللہ کی طرف پھیر لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی محبت، اتباع اور پیروی کو آزماتا تھا۔ بلاشبہ وہ ان آزمائشوں میں بفضلہٖ تعالیٰ سرخرو ہوئے۔ اس پر ہم تفصیلی بحث باب اول میں کر چکے ہیں۔

۲۔ حضور ﷺ سے تعلقِ باطنی ومعنوی

حضور ﷺ کی نسبتِ غلامی کا ایک باطنی تعلق بھی ہے۔ اس کے تین مراحل ہیں:

۱۔ مرحلہ محبت

۲۔ مرحلہ تعظیم وتوقیر

۳۔ مرحلہ اتصالِ حقیقتِ محمدی

یہاں یہ امر یاد رکھنا چاہیے کہ یہ تقسیم سمجھنے کی حد تک ہے۔ ایک مسلمان کے لئے ظاہر

(۱) البقرة، ۲: ۱۴۳

و باطن باہم یک دیگر ہیں جس نے ظاہر کو پکڑ لیا باطن کو چھوڑ دیا اس کا ایمان بھی ناقص ہے، جس نے باطن کو پکڑا اور ظاہر کو چھوڑ دیا اس کی محبت بھی اور اس کی اِتباع بھی ناقص ہے۔

(ا) مرحلہ محبتِ مصطفیٰ ﷺ

جب اتباع کے نتیجے میں امتی کمال حاصل کرتا ہے تو یہ تعلق محبت میں ڈھلنا شروع ہوجاتا ہے۔ والہانہ پن اور قلبی عقیدت امتی کے دل میں ناموسِ رسالت کی خاطر کفر و طاغوت کے ساتھ ٹکرا جانے کی جرأت پیدا کرتی ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ سے اور آپ ﷺ کے دین سے محبت کی چنگاری عشق رسالت مآب ﷺ کی شکل میں ہر مسلمان کے دل میں اس طرح جاگزیں ہو جاتی ہے کہ وہ ملی حیات کی بقا کی ضمانت بن جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تاریک ترین لمحات میں بھی اسلام نے شان دار کامیابیاں حاصل کی ہیں جبکہ بظاہر یوں محسوس ہوتا تھا کہ اب اسلام مغلوب ہوجائے گا۔ اس طاقت اور توانائی کا محرک حضور ﷺ کی محبت ہے۔ محبت رسول ﷺ کی یہ ڈوری روز ازل سے آج تک وابستہ ہے۔ خود طاغوتی اور استعماری قوتوں نے برسوں کی کھوج پرکھ کے بعد بالآخر اس قوت کا سراغ لگالیا ہے جس کا نام محبتِ رسول ﷺ ہے۔ اِسی نکتے کی طرف علامہ اقبالؒ نے اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا:

یہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو

حقیقت یہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ سے کامل محبت کو کبھی زوال نہیں ہوتا۔ یہ موت و حیات سے بے نیاز ہوتی ہے کیونکہ یہ ہمارے ایمان کی بنیاد ہے۔ بقول علامہ اقبال اگر کسی مسلمان کو محبت رسول ﷺ حاصل نہیں تو پھر اس کی تمام کوشش بھی سراسر بولہبی ہیں:

بمصطفٰے برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
گر باو نہ رسیدی تمام بولہبی است

(۲) مرحلہ تعظیمِ رسالت

محبت جب فنائیت تک کے مراحل طے کرتی ہے تو محبت نہیں رہتی، پھر وہ تعظیم و توقیر کا روپ دھار لیتی ہے۔ حضور ﷺ سامنے ہوں تب بھی محبّ ہیں، حضور ﷺ ظاہری پردہ فرما جائیں تب بھی محبّ ہیں۔ جب تعلقِ حبی نکھرتا ہے تو محبت پختہ ہوجاتی ہے۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ اسے مرحلہ تعظیم و توقیر رسالت پر پہنچا دیتا ہے، جس کا دوسرا نام عشق ہے۔ اس مقام پر امتی فنا فی الرسول کے منصب پر فائز ہو جاتا ہے۔ صحابہ کرام ﷺ کے ایمان کو اعلیٰ ترین مرتبہ حضور نبی اکرم ﷺ سے تعلقِ عشقی کی بنیاد پر ہی ملا ہے۔ وہ قدم قدم پر حضور نبی اکرم ﷺ کے اشاروں پر جان نثار کرتے نظر آتے ہیں۔ جو صحابی ﷺ جس قدر تعظیم و توقیر کرتا ہوا جمالِ نبوی پر نثار ہوا، اسی قدر اس کے ایمان کو کمال اور عظمت نصیب ہوئی۔ جب دنیا کی محبت سے امت کے دل میں عشق کی تڑپ ماند پڑتی دیکھی تو علامہ اقبال تڑپ اٹھے:

عصرِ ما را ز ما بیگانہ کرد
از جمالِ مصطفی بیگانہ کرد

فرماتے ہیں کہ اس جدید دور کی چکا چوند نے ہمیں نہ صرف اپنی ذات کی معرفت سے بے گانہ کر دیا ہے بلکہ ہمیں جمالِ مصطفیٰ ﷺ سے بھی بے گانہ کر دیا ہے جس کے نتیجے میں ہم حضور ﷺ کی محبت سے محروم ہو کر دنیا پرستی کا شکار ہو گئے ہیں۔ چنانچہ وہ مسلمانوں کے زوال و انحطاط کی طرف اشارہ کر کے کہتے ہیں کہ دنیا کی ناپائیدار محبتوں سے کنارہ کش ہو کر جب تک حضور نبی اکرم ﷺ کے جلوہ حسن کے مشتاق نہیں ہوں گے، تب تک کامیابی ان کے لیے ایک ایسا خواب بنی رہے گی جو کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا۔

(۳) مرحلہ اِتصالِ حقیقتِ محمدی

جب عاشق تعظیم کے بعد فنائیت کی طرف سفر کرتا ہے تو صورتِ مصطفیٰ میں گم ہو جاتا ہے، اس مقام پر وہ پھر حضور ﷺ کی چشمانِ مقدس کا تصور کرتا ہے۔ کبھی گنبد خضریٰ کا اور کبھی

مکینِ گنبدِ خضری کا تصور کرتا ہے۔ وہ ہر وقت بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ میں رہتا ہے، اسے کسی اور شے کی خبر مطلقاً کوئی خبر نہیں رہتی بلکہ ہر وقت وہ درِ مصطفیٰ ﷺ پر موجود رہتا ہے۔

عاشقِ صادق نماز میں اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ أَیُّهَا النَّبِیُّ کہتا ہے تو وہ حضور ﷺ کو سامنے پاتا ہے یہی تو مقامِ حضوری ہے۔ چنانچہ جو خلفاے راشدین ﷺ اور اویس ﷺ و بلال ﷺ کے راستے پر ہو وہ تصورِ نسبت مصطفیٰ میں کامل ہے۔ یہی اتصالِ حقیقتِ محمدی ہے۔

حضوری کی اس صورت میں دلوں کو حیاتِ نو ملتی ہے، جنت نعیم و فردوس کی لذات نصیب ہوتی ہیں، یہ سب کچھ اس لئے ملتا ہے کیونکہ اس کے سامنے چہرۂ وَالضُّحٰی ہوتا ہے۔ اللہ رب العزت نے فرمایا:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا ِللهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ. (۱)

اے ایمان والو! جب (بھی) رسول (ﷺ) تمہیں کسی کام کے لیے بلائیں جو تمہیں (جاودانی) زندگی عطا کرتا ہے تو اللہ اور رسول (ﷺ) کو فرمانبرداری کے ساتھ جواب دیتے ہوئے (فوراً) حاضر ہو جایا کرو۔

فرمایا: اے مومنو! جب رسول اکرم ﷺ تمہیں بلایا کریں تو فوراً حاضر ہو جایا کرو کیونکہ تمہارا حاضر ہونا تمہیں حیاتِ جاودانی عطا کرتا ہے یعنی دنیوی اور اُخروی حیات عطا کر دی جاتی ہے۔ یہی مرحلہ اتصالِ محمدی ہے جس کے باعث مردہ دل زندہ ہو جاتے ہیں اور دوری قربت میں تبدیل جاتی ہے۔

ہم مرحلہ اتصال کی مثال قرآن حکیم سے کچھ یوں لیتے ہیں۔ جب سیدنا ابراہیم ؑ نے مرنے کے بعد زندہ ہونے کے بارے میں یقین کی دولت پانے کے لئے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں عرض کیا تو اللہ رب العزت نے فرمایا:

فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْکَ. (۲)

---

(۱) الأنفال، ۸: ۲۴

(۲) البقرة، ۲: ۲۶۰

سوتم چار پرندے پکڑ لو پھر انہیں اپنی طرف مانوس کر لو۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام چار مختلف پرندوں کو لیتے ہیں، پھر انہیں خود سے مانوس کرتے ہیں، تاکہ اُنہیں اپنا اُنس عطا فرمائیں۔ آپ علیہ السلام انہیں اپنی صحبت و مجالست کا فیض دے کر بحکمِ الٰہی اُن کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے پہاڑوں پر چھوڑ آتے ہیں۔ جس کی جان میں محبت و اُنس نبی ہوگا وہ پکارنے پر دوڑ کر چلا آئے گا۔ چنانچہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ندا دی تو وہ پرندے جن کے دلوں میں حبِ خلیل اللہ علیہ السلام تھی، وہ زندہ ہو کر حاضر ہو گئے۔ اگر پرندے محبتِ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ زندہ ہو سکتے ہیں تو امتیِ عشق مصطفیٰ میں زندہ کیوں نہیں ہو سکتے؟ ہاں اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کو مقامِ استظہارِ صورتِ مصطفیٰ ﷺ مل گیا ہو اور اسے تصور مصطفیٰ ﷺ و دیدار مصطفیٰ ﷺ نصیب ہو گیا ہو۔

مرحلہ اتصالِ حقیقتِ محمدی میں استظہار کی مختلف جہتیں ہیں۔ یہ جو عشاق اکثر حضور نبی اکرم ﷺ کے موئے مبارک، چشمان مقدس، قدمین شریف، قلب مبارک، عمر مبارک، خُلق مبارک کا ذکر کر کے سکون قلب پاتے ہیں تو یہ ہرگز کوئی مبالغہ آرائی نہیں ہے۔ انہیں تو خود اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن مجید کا موضوع بنایا ہے۔ فرمایا:

قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ. (۱)

(اے حبیب!) ہم بار بار آپ کے رُخِ انور کا آسمان کی طرف پلٹنا دیکھ رہے ہیں۔

ایک دوسرے مقام پر فرمایا گیا:

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ. (۲)

اور آپ دنیوی زندگی میں زیب و آرائش کی ان چیزوں کی طرف حیرت و تعجب کی نگاہ نہ فرمائیں۔

---

(۱) البقرة، ۲: ۱۴۴

(۲) طه، ۲۰: ۱۳۱

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں ربِ دو جہاں ہو کر چشمانِ مصطفیٰ ﷺ کا ذکر کرتا ہوں تو تم اُمتی اور عاشق ہو کر چشمانِ مصطفیٰ ﷺ کا تصور کیوں نہیں کرتے اور اپنی نظریں دنیوی زیب و زینت سے ہٹا کر سرورِ عالم ﷺ کی طرف کیوں مبذول نہیں کرتے۔

پھر فرماتا ہے:

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ○(۱)

(اُن کے) دل نے اُس کے خلاف نہیں جانا جو (اُن کی) آنکھوں نے دیکھا○

میں ذاتِ کبریا ہو کر فوادِ مصطفیٰ کا ذکر کرتا ہوں تم غلامانِ مصطفیٰ ہو کر اس کا تصور کیوں نہیں کرتے؟

پھر فرمایا:

مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ○(۲)

(اے محبوبِ مکرّم!) ہم نے آپ پر قرآن (اس لیے) نازل نہیں فرمایا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں○

میں تو خالقِ ربِ کائنات ہو کر اپنے حبیب ﷺ کے ساری رات کھڑے ہونے اور قدم مبارک متورم ہو جانے کی فکر کرتا ہوں اور تو اُمتی ہو کر قدم مصطفیٰ کا تصور نہیں کرتا اور اپنے رسول کی پیروی میں خود میرے حضور کھڑا کیوں نہیں ہوتا؟

پھر فرمایا:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ○(۳)

---

(۱) النجم، ۵۳: ۱۱

(۲) طٰہٰ، ۲۰: ۲

(۳) التین، ۹۵: ۴

بے شک ہم نے انسان کو بہترین (اعتدال اور توازن والی) ساخت میں پیدا فرمایا ہےo

تو کیسا امتی ہے کہ اپنے نبی کی تقویم کا تصور نہیں کرتا کہ جن کی خاطر کائنات کی تخلیق کی گئی۔

پھر فرمایا:

وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍo (۱)

اور بے شک آپ عظیم الشان خلق پر قائم ہیں (یعنی آدابِ قرآنی سے مزّین اور اَخلاقِ اِلٰہیہ سے متّصف ہیں)o

یہ آیت کریمہ زبانِ حال سے گویا ہے کہ اے مصطفیٰ کے امتی! تو خُلقِ مصطفیٰ کو یاد کر کے خود اس رنگ میں کیوں نہیں رنگا جاتا۔ یہ استظہار عشق مصطفیٰ ﷺ میں آخری مرحلہ ہے جس کا دوسرا نام مرحلہ اتصالِ حقیقتِ محمدی ہے۔ یہ نعمت جنہیں ملتی ہے، وہ بھلا کیا ہو جاتے ہیں؟ اسے ابو العباس المرسی سے سنیے۔ وہ فرماتے ہیں:

لَوۡ حُجِبَ عَنِّی رَسُوۡلُ اللهِ طُرۡفَةَ عَیۡنٍ مَا اَعۡدَدۡتُ نَفۡسِیۡ مِنۡ زُمۡرَةِ الۡمُسۡلِمِیۡنَ. (۲)

جس لمحے چہرۂ مصطفیٰ میری آنکھوں سے اوجھل ہو جائے میں اپنے آپ کو مسلمان نہیں سمجھتا۔

حضرت عبد اللہ الدولاسی روایت کرتے ہیں:

ایک شیخ عارف باللہ مجھے کعبۃ اللہ میں ملے۔ مجھے فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی زندگی میں بہت ساری نمازیں پڑھی ہیں، مگر وہ ظنی القبول ہیں۔ یعنی پتا نہیں کہ وہ قبول بھی ہوں گی

(۱) القلم، ۶۸:۴

(۲) ابن عجیبہ، إیقاظ الھمم شرح متن الحکم: ۸۰

ہیں یا نہیں، لیکن ایک نماز میں نے ایسی پڑھی ہے کہ جو قطعی القبول ہے۔

میں نے عرض کیا: حضرت! وہ کون سی نماز ہے؟

فرمایا: فجر کا وقت تھا، میں نے صحنِ کعبہ میں دو سنتیں ادا کیں اور پھر پہلی صف میں نماز کے لئے جماعت کی غرض سے شریک ہوا، امام کعبہ نے تکبیر تحریمہ کے بعد نماز شروع کی تو یوں محسوس ہوا کہ نماز کوئی دوسری شخصیت پڑھا رہی ہے۔ میں نے جب نگاہ ڈالی تو چہرۂ مصطفیٰ ﷺ صاف نظر آ رہا تھا۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ اس امام کی امامت بھی فنائے امامتِ مصطفیٰ ہو گئی تھی۔ جب امام بدل گیا تو مقتدی بھی وہ نہ رہے جب مقتدیوں کو دیکھا تو وہ سب صحابہ رضی اللہ عنہم نظر آئے۔ میں حیران ہو گیا۔ ادھر چہرۂ مصطفیٰ کو دیکھتا ہوں اور ادھر چہرۂ عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم کو دیکھتا ہوں۔ آقا ﷺ نے پہلی رکعت میں سورۃ المدثر اور دوسری رکعت میں عم یتسألون کی تلاوت فرما کر بعد ازاں دعا فرمائی۔ جب دعا سے فارغ ہوئے تو سب تشریف لے گئے۔ (یہ ۳۷۲ھ کی بات ہے۔)

اے کاش! کہ امام ہوں تو ایسے ہوں جن کی ذات ذاتِ مصطفیٰ ﷺ میں فنا ہو جائے، جن کی نماز نمازِ مصطفیٰ ﷺ میں فنا ہو، جن کی صفات صفاتِ مصطفیٰ ﷺ میں فنا ہوں، جن کا عرفان عرفانِ مصطفیٰ ﷺ میں، جن کا استظہار صورتِ مصطفیٰ میں، جن کی ترجیحات ترجیحاتِ مصطفیٰ ﷺ میں اور جن کا انتخاب انتخابِ مصطفیٰ ﷺ میں فنا ہو جائے۔

تحریک منہاج القرآن اسی استظہار عشق مصطفیٰ ﷺ، استظہار صورت مصطفیٰ و نسبت مصطفیٰ ﷺ، کمال اتباع مصطفیٰ ﷺ اور مواظبت علی اتباع مصطفیٰ ﷺ کی تحریک ہے۔ یہ چلتی رہے گی یہ کارواں یونہی بڑھتا رہے گا۔ جب تک ہر کلمہ گو کا مکینِ گنبد خضریٰ سے تعلق استوار نہ ہو جائے یہ سفر ختم نہیں ہو گا۔ اِن شاء اللہ۔

باب نمبر 4

فلاحِ اُمت کا چہار جہتی نصاب

﴿آیت الاعراف کی روشنی میں﴾

پچھلے باب میں ہم نے محسنِ انسانیت حضرت محمد ﷺ کی ذاتِ مبارکہ سے ان کی اتباع کے ذریعے جڑنے کو اپنے ہر مسائل کا حل قرار دیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اسے ہم نسخہ کیمیا سے تشبیہہ دیں تو بے جا نہ ہوگا۔ اس ضمن میں ہم نے حضور ﷺ سے تعلقِ ظاہری وصوری کے مختلف مراحل بیان کیے ہیں۔ اس باب میں ہم سورۃ الاعراف کی ایک آیت کی روشنی میں امت کی فلاح کا چار جہتی نصاب مرتب کریں گے۔

اللہ رب العزت کے ان گنت احسانات و انعامات ہیں کہ جس نے ہمیں احیاء اسلام کی اس عظیم تحریک سے وابستہ فرمایا ہے جو ساری دنیا میں امن وسلامتی کی پیغامبر ہے۔ اس وقت ساری دنیا عمومی طور پر اور اسلامی دنیا خصوصی طور پر انتہا پسندی اور دہشت گردی سے دوچار ہے۔ ہزاروں بے گناہ لوگ اس کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں اور یہ ایسا فتنہ ہے کہ کم ہونے کے بجائے دن بدن بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔ سب سے قابل افسوس امر یہ ہے کہ یہ انسانیت سوز عمل اسلام کے نام پر کیا جا رہا ہے۔ عیار طاغوت کی چیرہ دستیوں اور اپنی محرومیوں کے سبب مسلمان نوجوان اسلام کے نام پر شیطان صفت خوارج کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں۔ درحقیقت اسلام کی آمد کا مقصد ہی بنی نوع انسان کی عظمت وتوقیر کو بحال کرنا اور امن و آشتی سے زندگی بسر کرنے کا سلیقہ سکھانا ہے۔

اسلامی تاریخ اس امر کی گواہ ہے کہ جب تک مسلمان برسرِ اقتدار رہے انہوں نے امن و آشتی سے کبھی روگردانی نہیں کی۔ اسلام کا تو بنیادی پیغام ہی یہ ہے کہ دین میں کسی قسم کی کوئی زور زبردستی نہیں ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے دین کو دنیا کے سامنے پیش کیا اور اس پر خود بھی عمل کیا اور آپ ﷺ کی صحبت سے فیض پانے والے اصحاب نے بھی دین کی تابانیوں ہی سے اپنی زندگیوں میں عظیم انقلاب برپا کیا۔ آپ ﷺ کی صفاتِ عالیہ میں سے ایک بڑی صفت

آپ ﷺ کا دونوں جہان کے لئے رحمت ہونا ہے۔

زیرِ نظر سطور میں حضور ﷺ کی تعظیم و توقیر اور نصرت کے الوہی احکامات کو بجا لانے کی مختلف صورتوں کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جا رہی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○(۱)

پس جو لوگ اس (برگزیدہ رسول ﷺ) پر ایمان لائیں گے اور ان کی تعظیم و توقیر کریں گے اور ان (کے دین) کی مدد و نصرت کریں گے اور اس نور (قرآن) کی پیروی کریں گے جو ان کے ساتھ اتارا گیا ہے، وہی لوگ ہی فلاح پانے والے ہیں○

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے فلاح پانے کا حسب ذیل نصاب بیان فرمایا ہے کہ جس پر عمل پیرا ہو کر آپ ﷺ کے امتی کامیابی اور فلاح کے حامل قرار دیے جا سکتے ہیں:

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ پر ایمان لانا

۲۔ آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر کو بجا لانا

۳۔ آپ ﷺ کے دین کی مدد و نصرت کرنا

۴۔ قرآن مجید میں بتائے گئے طریقہ کار پر پوری طرح کاربند ہونا

اللہ رب العزت نے اس کی تائید میں قرآن مجید کے ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ○ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ؕ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ○(۲)

(۱) الأعراف، ۷: ۱۵۷

(۲) الفتح، ۴۸: ۸-۹

بے شک ہم نے آپ کو (روزِ قیامت گواہی دینے کے لیے اعمال و احوالِ امت کا) مشاہدہ فرمانے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہےo تاکہ (اے لوگو!) تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور آپ (ﷺ کے دین) کی مدد کرو اور آپ (ﷺ) کی بے حد تعظیم و تکریم کرو، اور (ساتھ) اللہ کی صبح و شام تسبیح کروo

اس آیت کریمہ میں جہاں آپ ﷺ پر ایمان لانے، دینِ اسلام کی مدد و نصرت کرنے اور آپ ﷺ کی تعظیم و تکریم بجا لانے اور صبح و شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرنے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کے شاہد ہونے، خوش خبری سنانے والے اور ڈر سنانے والے رسولِ محترم ﷺ کی صفات کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

ا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی شانِ شاہدیت

یہ آیت کریمہ بیان کر رہی ہے کہ آپ ﷺ روزِ قیامت گواہی دینے کے لیے اَحوالِ امت پر مشاہدہ فرمانے والے بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ نہ سمجھا جائے کہ حضور نبی اکرم ﷺ صرف اُس شے کا مشاہدہ فرماتے ہیں جو آپ ﷺ کی نگاہِ مبارک کے سامنے ہے بلکہ فرما دیا کہ علمِ مصطفیٰ ﷺ کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ آپ ﷺ کی وسعتِ علمی کو قرآن پاک کے ایک اور مقام سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ارشاد فرمایا:

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًاo[1]

پھر اس دن کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور (اے حبیب!) ہم آپ کو ان سب پر گواہ لائیں گےo

جب اللہ رب العزت ہر امت میں سے اُس کے نبی کو اپنی امت کے احوال پر گواہ بنا کر قیامت کے روز پیش کر رہا ہوگا، مگر جب اُس نبی اور اس نبی کی امت کے مابین کوئی جھگڑا

(۱) النساء، ۴: ۴۱

ہو جائے گا، کسی بات کی تصدیق کی ضرورت ہو گی تو پھر اس اتھارٹی سے بڑی کسی اتھارٹی کی طرف رجوع کیا جانا ہی دنیا کا اصول ہے۔

چنانچہ جب ایک نبی اللہ کی بارگاہ میں کہے گا: مولیٰ! میں نے تو تیری وحدت اور توحید کا پیغام اپنی امت کو احسن طریقے سے پہنچا دیا تھا، لیکن انہوں نے قبول نہیں کیا۔ امت کہے گی: نہیں مولیٰ! تیرے نبی نے ہمیں کوئی پیغام ہی نہیں دیا۔ ایسی صورت میں اللہ رب العزت ایک ایسی ہستی کو لائے گا جس کی زبان کی تصدیق پوری کائنات کی تصدیق ہو گی۔ اصولاً جس بندہ کے سامنے سب کچھ وقوع پذیر ہوا ہوتا ہے وہی شہادت دے سکتا ہے۔ جب اللہ رب العزت حضور نبی اکرم ﷺ سے فرمائے گا کہ اے میرے حبیب ﷺ تو اس معاملے میں اپنی شہادت پیش کر یہ قوم اپنے نبی علیہ السلام کی دعوت کے عمل کا انکار کر رہی ہے۔ اس پر حضور ﷺ فرمائیں گے کہ یہ قوم جھوٹی ہے اور یہ نبی سچا ہے۔ گویا حضور ﷺ کی نگاہ یہ منظر دیکھ رہی تھی کہ جب اللہ کا نبی اپنی امت کو پیغامِ الٰہی دے رہا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کا علم زمان و مکان کی قیود سے ماورا ہے۔

حضور ﷺ کی شہادت اُس وقت قابل قبول ہوگی جب آپ ﷺ بھی اسی طرح دیکھ رہے ہوں گے جیسے ہر نبی اپنی امت کو دیکھ رہا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور ﷺ اصلِ کائنات ہیں۔ اس حقیقت کا اشارہ حدیثِ مبارکہ سے ملتا ہے جسے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے:

قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي، أَخْبِرْنِي عَنْ أَوَّلِ شَيْءٍ خَلَقَهُ اللهُ تَعَالٰى قَبْلَ الْأَشْيَاءِ؟ قَالَ: يَا جَابِرُ، إِنَّ اللهَ تَعَالٰى قَدْ خَلَقَ قَبْلَ الْأَشْيَاءِ نُوْرَ نَبِيِّکَ مِنْ نُوْرِهٖ، فَجَعَلَ ذٰلِکَ النُّوْرَ يَدُوْرُ بِالْقُدْرَةِ حَيْثُ شَاءَ اللهُ تَعَالٰى، وَلَمْ يَكُنْ فِي ذٰلِکَ الْوَقْتِ لَوْحٌ وَلَا قَلَمٌ، وَلَا جَنَّةٌ وَلَا نَارٌ، وَلَا مَلَکٌ، وَلَا سَمَاءٌ وَلَا أَرْضٌ، وَلَا شَمْسٌ وَلَا قَمَرٌ، وَلَا جِنِّيٌّ وَلَا إِنْسِيٌّ. فَلَمَّا أَرَادَ اللهُ تَعَالٰى أَنْ يَخْلُقَ الْخَلْقَ قَسَمَ ذٰلِکَ النُّوْرَ أَرْبَعَةَ أَجْزَاءٍ:

فَخَلَقَ مِنَ الْجُزْءِ الْأَوَّلِ الْقَلَمَ، وَمِنَ الثَّانِيِّ: اللَّوْحَ وَمِنَ الثَّالِثِ: الْعَرْشَ. ثُمَّ قَسَمَ الْجُزْءَ الرَّابِعَ أَرْبَعَةَ أَجْزَاءٍ، فَخَلَقَ مِنَ الْأَوَّلِ: حَمَلَةَ الْعَرْشِ، وَمِنَ الثَّانِيِّ: الْكُرْسِيَّ، وَمِنَ الثَّالِثِ: بَاقِيَ الْمَلَائِكَةِ. ثُمَّ قَسَمَ الْجُزْءَ الرَّابِعَ أَرْبَعَةَ أَجْزَاءٍ، فَخَلَقَ مِنَ الْأَوَّلِ: السَّمٰوَاتِ، وَمِنَ الثَّانِيِّ: الْأَرْضِيْنَ وَمِنَ الثَّالِثِ: اَلْجَنَّةَ وَالنَّارَ. [1]

میں نے بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! مجھے بتائیں کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کس شے کو پیدا فرمایا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اے جابر! بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق (کو پیدا کرنے) سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور (کے فیض) سے پیدا فرمایا، یہ نور اللہ تعالیٰ کی مشیت سے جہاں اس نے چاہا سیر کرتا رہا۔ اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم، نہ جنت تھی نہ دوزخ، نہ (کوئی) فرشتہ تھا، نہ آسمان تھا نہ زمین، نہ سورج تھا نہ چاند، نہ جن تھے اور نہ انسان۔ جب اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ مخلوق کو پیدا کرے تو اس نے اس نور کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا۔ پہلے حصہ سے قلم بنایا، دوسرے حصہ سے لوح اور تیسرے

---

(۱) ۱۔ قسطلانی نے 'المواهب اللدنية (۱:۷۱)' میں کہا ہے کہ اسے امام عبد الرزاق نے اپنی سند سے روایت کیا ہے۔
۲۔ زرقانی، شرح المواهب اللدنية، ۱:۸۹-۹۱
۳۔ عجلونی نے 'کشف الخفاء (۱:۳۱۱، رقم:۸۲۷)' میں کہا ہے کہ اسے امام عبد الرزاق نے اپنی سند سے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔
۴۔ عیدروسی نے 'تاریخ النور السافر (۱:۸)' میں کہا ہے کہ اسے امام عبد الرزاق نے اپنی سند سے روایت کیا ہے
۵۔ حلبی، السیرة، ۱:۵۰
۶۔ تھانوی، نشر الطیب:۱۳

حصہ سے عرش بنایا۔ پھر چوتھے حصہ کو (مزید) چار حصوں میں تقسیم کیا تو پہلے حصہ سے عرش اٹھانے والے فرشتے بنائے، دوسرے حصہ سے کرسی اور تیسرے حصہ سے باقی فرشتے پیدا کیے۔ پھر چوتھے حصے کو مزید چار حصوں میں تقسیم کیا تو پہلے حصہ سے آسمان بنائے، دوسرے حصہ سے زمین اور تیسرے حصہ سے جنت اور دوزخ بنائی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ!

مَتٰی وَجَبَتْ لَکَ النُّبُوَّةُ؟

آپ کے لیے نبوت کب واجب ہوئی؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

وَآدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ.[۱]

(میں اس وقت بھی نبی تھا) جبکہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ابھی روح اور جسم کے درمیانی مرحلہ میں تھی (یعنی روح اور جسم کا باہمی تعلق بھی قائم نہ ہوا تھا)۔

یعنی تشکیلِ آدم علیہ السلام کے شاہد بھی مصطفیٰ ﷺ تھے۔ جب آدم علیہ السلام ابھی تشکیل نہ دیے گئے تھے اُس وقت کے شاہد بھی آپ ﷺ تھے۔

جب اللہ رب العزت نے روحوں سے پوچھا:

---

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب المناقب، باب في فضل النبي ﷺ، ۵: ۵۸۵، رقم: ۳۶۰۹
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۶۶، ۵: ۵۹،۳۷۹، رقم: ۲۳۶۲۰
۳۔ حاکم، المستدرك، ۲: ۶۶۵۔۶۶۶، رقم: ۴۲۰۹۔۴۲۱۰
۴۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۷: ۳۶۹، رقم: ۳۶۵۵۳
۵۔ ابو سعد نیشاپوری، شرف المصطفی ﷺ، ۱: ۲۸۶، رقم: ۷۵
۶۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۴: ۲۷۲، رقم: ۴۱۷۵

اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ. (۱)

کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟

تو اُس وقت بھی نورِ مصطفیٰ ﷺ مشاہدہ کر رہا تھا۔ اس سے یہ امر متحقق ہوتا ہے کہ جہاں پیدائشِ آدم سے بھی پہلے حضور ﷺ کی شہادت قابلِ قبول ہے۔ وہیں پیدائش آدم علیہ السلام کے بعد بھی قبول ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور ﷺ نے عطائے ربانی سے ماضی میں جو کچھ ہو چکا اس کی بھی خبر دی ہے اور جو کچھ آئندہ ہونے والا ہے اس کے بارے میں بھی بیان فرما دیا ہے۔ اس سے متعلق چند احادیث مبارکہ ہم نے باب دوم میں درج کی ہیں۔

اب ہم مختصراً ابتدا میں بیان کی گئی سورہ اعراف کی آیت نمبر ۱۵۷ کے حوالے سے الوحی احکامات کی تفصیل ترتیب وار بیان کرتے ہیں۔

۲۔ ایمان بالرسالت

اس آیتِ کریمہ میں پہلی شرط ایمان بیان کی گئی ہے۔ تعزیرِ مصطفیٰ ﷺ، تکریمِ مصطفیٰ ﷺ اور تعظیمِ مصطفیٰ ﷺ کا ذکر اس کے بعد بیان کیا گیا ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کون سا ایمان ہے جس کے لیے ایمان والوں سے کہا جا رہا ہے کہ 'ایمان لاؤ'۔ ان کلمات کی روح کو سمجھنے کے لئے حضور ﷺ کی احادیث کی طرف جاتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ. (۲)

---

(۱) الأعراف، ۷: ۱۷۲

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الإیمان، باب حُبّ الرَّسُوْلِ ﷺ مِنَ الإِيْمَانِ، ۱: ۱۴، رقم: ۱۵

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الإیمان، باب وجوب محبّة رسول الله ﷺ أکثر من الأهل والولد والوالد والناس أجمعین، ۱: ۶۷، رقم: ۴۴

تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اسے اُس کے والد (یعنی والدین)، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے محبوب تر نہ ہو جاؤں۔

یہاں آپ نے مومن ہونے کا ایک معیار مقرر کر دیا ہے۔ جب تک ہمارا ایمان اس مقام تک نہ پہنچے ہم ایمان والے نہیں ہو سکتے۔ ہر ذات، ہر نسبت سے، ہر تعظیم، ہر تعزیر اور ہر تکریم سے بڑھ کر آپ ﷺ کا مقام پیشِ نظر رہے۔ اس پر بالتفصیل پہلے باب میں لکھا جا چکا ہے۔

درحقیقت آپ ﷺ پر ایمان لانے کے دو تقاضے بیان کئے گئے ہیں۔ ان میں پہلا یہ کہ آپ ﷺ کی اطاعت کی جائے، دوسرا تقاضا ہے کہ آپ ﷺ سب سے بڑھ کر محبت کی جائے۔

پہلی شرط اس امر کی متقاضی ہے کہ جب تک کسی شخص کی خواہشِ نفس اس چیز کے تابع نہ ہو جائے جو آپ ﷺ لائے ہیں وہ مومن نہیں ہوسکتا۔ یعنی جو احکامِ شریعت آپ ﷺ لائے ہیں ان پر دل وجان سے عمل پیرا نہیں ہوتا۔ دوسری شرط محبت ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک ہر چیز بلکہ اپنی جان سے بھی زیادہ حضور نبی اکرم ﷺ سے محبت نہ کرے۔

مذکورہ بالا دونوں تقاضے جب پورے ہوں گے تو ان کے نتیجے میں لازمی طور پر آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر پیدا ہوگی اور آپ ﷺ کی عظمت دلوں میں راج کرے گی۔ وہ جہاں آپ ﷺ کا اسم گرامی سنے گا تو بے ساختہ اس کی زبان پر درود وسلام جاری ہو جائے گا۔ سورۃ الاعراف میں اللہ رب العزت نے مومنین کو حضور نبی اکرم ﷺ کی تعظیم بجا لانے کا حکم دیتے ہوئے فَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا فرما کر پہلے ایمان مکمل کر دیا، کیونکہ نعمتِ مصطفیٰ ﷺ کا وہی مستحق ہوسکتا ہے جس کا ایمان پہلے مکمل ہو چکا ہو۔

۳۔ تعزیر و توقیرِ مصطفیٰ ﷺ

ایمان لانے کے بعد پھر سب سے اہم چیز محبوب ﷺ کی حد درجہ تعظیم و تکریم بجالانا ہے۔ جیسا کہ سورۃ الفتح میں فرمایا گیا ہے:

لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ط وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ○[1]

تاکہ (اے لوگو!) تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور آپ (ﷺ کے دین) کی مدد کرو اور آپ (ﷺ) کی بے حد تعظیم و تکریم کرو، اور (ساتھ) اللہ کی صبح و شام تسبیح کرو○

سورۃ الاعراف میں وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، جبکہ سورۃ الفتح کی آیت میں وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ کے الفاظ نازل ہوئے ہیں۔

اب ہم اپنی پوری توجہ دو لفظوں عَزَّرُوْهُ اور وَتُعَزِّرُوْهُ پر مرتکز کرتے ہیں۔

امام راغب اصفہانی کے نزدیک تعزیر سے مراد آقا ﷺ کی عظمت میں مبالغہ ہے کہ جتنا بیان کرو اس کی کوئی حد ہی نہیں ہے، یہ تعزیرِ مصطفیٰ ﷺ ہے۔ یہاں تعظیم اس لیے نہیں کہا کہ تعظیم تو والدین، اساتذہ اور مشائخ کی بھی کی جاتی ہے۔ ایسی تعظیم مصطفیٰ ﷺ کے لیے جائز نہیں بلکہ ہر شے سے بڑھ کر، ہر احترام سے بڑھ کر، ہر تکریم سے بڑھ کر جو کچھ ہوگا وہ حضور ﷺ کی تعزیر ہوگی۔

(۱) لفظ تَعْزِیر کا لغوی اشتقاق اور مفہوم

۱۔ امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں:

عزر التعزير النصرة مع التعظيم.

تعظیم کے ساتھ نصرت کو تعزیر کہا جاتا ہے۔

(۱) الفتح، ۴۸: ۹

خالی تعظیم تو فقط تعظیم ہے مگر تعظیم کے ساتھ حضور ﷺ کی ناموس، عصمت اور عظمت کی خاطر میدان کارزار میں اترنا، آپ ﷺ کی نسبت کا اور حضور ﷺ کی آل کا محافظ بن جانا اور حضور ﷺ کی تعظیم کے ساتھ نصرتِ مصطفیٰ ﷺ کا ڈنکا بھی بجانا تعظیم نہیں تعزیر کہلائے گی۔

ایک ہوتی ہے: حد، اور ایک ہوتی ہے: تعزیر۔ حد سے جو چیز ایک درجہ نیچے ہوتی ہے اُس کو تعزیر کہتے ہیں۔ عربی میں تعزیر سے مراد کسی شخص کو جرم کے ارتکاب سے روکنے کی جو سعی وکوشش ہوتی ہے اسے تعزیر کہتے ہیں۔ وہ کسی کو جرم اور ظلم سے روکنے کے لیے دی جاتی ہے تا کہ وہ دوبارہ ظلم کا ارتکاب نہ کر سکے۔ یعنی وہ چیز جسے ظلم سے روکا جائے اسے تعزیر کہتے ہیں۔

یہاں امام راغب اصفہانی نے فرمایا ہر وہ شے جو مصطفیٰ ﷺ کی بارگاہ میں آپ ﷺ کی عصمت کے مخالف ہو اُس کو روکنا تعزیرِ مصطفیٰ ﷺ ہےیا ہر وہ شے جو حضور نبی اکرم ﷺ کے مزاج کے مخالف ہو اور متضاد ہو اُس سے مصطفیٰ ﷺ کو بچانا تعزیر ہے۔ اس طرح ہر وہ دشمن جو حضور ﷺ کی طرف آنے کی کوشش بھی کرے، اُسے آنے سے روکنا اور دشمن کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بن جانا تعزیرِ مصطفیٰ ﷺ ہے۔ نیز فرمایا:

والتعزير ضرب دون الحد وذالک يرجع إلى الأوّل، فإن ذالک تأديب والتأديب نصرة.(۱)

تعزیز حد سے نیچے کی ایک قسم ہے اور یہ پہلی قسم ہی کی طرف لوٹتی ہے پس یہ تادیب بھی تعزیر ہے اور حضور ﷺ کی نصرت (مدد) کے لیے میدانِ کارزار میں نکل آنا یہ تعزیرِ مصطفیٰ ﷺ ہے۔

۲۔ تعزیر کا دوسرا معنی ابن منظور افریقی نے یوں بیان کیا:

تعزیر کا لفظ عزر سے نکلا ہے۔ عربوں میں عُزر تلوار کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

(۱) اصفہانی، المفردات في غريب القرآن، ۱:۳۳۳

فرمایا: تلوار کے ذریعے کسی کی مدد کے لیے نکل آنا تعزیر کہلاتا ہے۔[1]

یہ بات قابل غور ہے کہ اللہ رب العزت نے حضور ﷺ کی تکریم کے لیے تعظیم کا لفظ استعمال نہیں فرمایا بلکہ تعزیر کا ارشاد فرمایا ہے۔ اس لیے کہ وہ عرب کی جاہلیت کا دور تھا۔ مسلمان کم زور تھے، نہ حبشہ جانے کے قابل تھے اور نہ ہی مدینہ جانے کے اہلیت رکھتے تھے۔ آقا ﷺ نے اُنہیں ہمت اور جرأت دی۔ انہیں اس قابل کیا کہ وہ ابوجہل و ابولہب کی طاقت کے سامنے کھڑے ہو جائیں۔ چنانچہ وہ ہجرت کر کے حبشہ بھی گئے اور مدینہ منورہ بھی پہنچے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اسلام کی آواز کو بلند بھی کرتے رہے۔ انہوں نے اسلام کے لیے سیسہ پلائی دیوار بن کر خدمت بھی سرانجام دی، صحنِ کعبہ میں جا کر اللہ اللہ بھی کیا اور دارِ ارقم میں بیٹھ کر حضور ﷺ کی صحبت کے جام بھی نوش کئے۔ وہ چہرۂ مصطفیٰ ﷺ کی بھی زیارت کرتے رہے اور دوسری طرف کفارِ مکہ کے سامنے احد احد کی آواز بھی بلند کر کے ظلم و ستم کو برداشت کرتے نظر آتے رہے۔ حالات اس امر کے متقاضی تھے کہ حضور ﷺ سے صرف محبت کا نام لینے والے نہیں، بلکہ حضور ﷺ کی خاطر جان کا نذرانہ پیش کرنے والے سرفروش مجاہد چاہییں تھے۔ یہاں ابن منظور نے واضح کر دیا کہ تعظیم وہ ہے جو ہر کوئی کرتا ہے مگر تعزیر وہ ہے جو محبوب کی محبت میں اپنا سب کچھ لٹا دے۔

(۲) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعزیرِ مصطفیٰ ﷺ کے چند مظاہر

ا۔ جب اللہ رب العزت کی جانب سے ہجرت مدینہ کا حکم ہوا تو حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر لیٹنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ یوں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی دانست میں اپنی جان کا نذرانہ حضور کی خاطر بسترِ مصطفیٰ ﷺ پر لیٹ کر پیش کر دیا۔ تعزیرِ مصطفیٰ ﷺ محض محبت کی بات نہیں بلکہ حضور ﷺ کی خاطر تلوار بردار جانی دشمنوں کے حصار میں بسترِ مصطفیٰ ﷺ پر جاں نثار کر دینے کے لیے لیٹ جانے والی بات ہے۔

(۱) ابن منظور، لسان العرب، ۴: ۵۶۲

۲۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب حضور ﷺ کے ساتھ غارِ ثور کی طرف جا رہے تھے تو کبھی دائیں طرف ہو جاتے اور کبھی بائیں طرف ہو جاتے۔ وہ کبھی سامنے آ جاتے اور کبھی حضور کے پیچھے چلنے لگتے۔ حضور ﷺ نے پوچھا: ابوبکر کیا بات ہے؟ فرمایا: یا رسول اللہ! جب مجھے خیال آتا ہے کہ کہیں دشمن دائیں طرف سے نہ آ جائیں تو میں آپ کے دائیں طرف ہو جاتا ہوں، جب خیال آتا ہے کوئی دشمن بائیں طرف سے نہ آ جائے تو میں اسی وقت بائیں جانب ہو جاتا ہوں۔ جب خیال آتا ہے کہ سامنے سے نہ آ جائیں تو میں تو سامنے آ جاتا ہوں اور جب خیال آ جائے کہ دشمن پیچھے سے نہ آ جائے تو میں مڑ کر پیچھے آ جاتا ہوں۔ یعنی ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تعظیم والے نہیں تعزیر والے تھے۔

۳۔ حضور نبی اکرم ﷺ دورانِ ہجرت جب غارِ ثور میں آرام فرما رہے تھے تو آپ کا سرِ اقدس حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی گود میں تھا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے وہاں ایک سوراخ دیکھ کر اپنے پاؤں کے انگوٹھے سے اسے بند کر دیا تاکہ کوئی موذی جانور حضور ﷺ کو نقصان نہ پہنچائے۔ برداشت کی حد دیکھیے کہ اس سوراخ میں موجود سانپ آپ رضی اللہ عنہ کو پے در پے کاٹتا رہا لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے اپنا پاؤں پیچھے نہ ہٹایا، بلکہ آپ استقامت کے ساتھ سانپ کے کاٹے کی تکلیف بھی برداشت کرتے رہے اور اپنے جسم کو ہلنے تک نہ دیا، مبادا رسولِ خاتم ﷺ کے آرام میں کوئی خلل نہ پڑ جائے۔ اسے تعزیر کہتے ہیں کہ محبوب کو ہر تکلیف سے بچانے کا جذبہ پیدا ہو جائے۔ جو کوئی حضور ﷺ کی خاطر اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دے وہ تعزیرِ مصطفیٰ ﷺ والا ہوتا ہے۔

۴۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے لیے ایسی عظمت بجا لانا کہ اس جیسی عظمت کائنات میں کسی اور کے لیے نہ ہو اُسے تعزیرِ مصطفیٰ ﷺ کہتے ہیں۔

ہر مبالغہ حضور نبی اکرم ﷺ کی تعظیم میں جائز ہے لیکن یہ فرق ملحوظِ خاطر رہے کہ اللہ تعالیٰ معبود ہے، یہ عبد ہیں۔ وہ خالق ہے، یہ مخلوق ہیں۔ وہ رب ہے، یہ مربوب ہیں۔ وہ

رازق ہے، یہ مرزوق ہیں۔ وہ عطا کرنے والا ہے، یہ تقسیم کرنے والے ہیں۔

تم ذاتِ خدا سے نہ جدا ہو نہ خدا ہو
اللہ ہی کو معلوم کیا جانیے کیا ہو

۵۔ امام بیضاوی اپنی تفسیر بیضاوی میں لکھتے ہیں کہ تُعَزِّرُوْهُ کا مطلب یہ ہے:

وتقووه بتقوية دينه ورسوله ﷺ. (۱)

اللہ کے دین اور اس کے رسول ﷺ کے لیے قوت بن جاؤ۔

خود اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں تُعَزِّرُوْهُ کا تصور ایک اور مقام پر سمجھاتے ہوئے فرمایا:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ ط وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ. (۲)

محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ آپ (ﷺ) کی معیت اور سنگت میں ہیں (وہ) کافروں پر بہت سخت اور زور آور ہیں آپس میں بہت نرم دل اور شفیق ہیں۔

یہاں اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ تعزیرِ مصطفیٰ ﷺ ہے۔سوال پیدا ہوتا ہے کہ توقیرِ مصطفیٰ ﷺ کیا ہے؟

(۳) لفظ تَوْقِیر کا لغوی اشتقاق اور مفہوم

ا۔ توقیر سے مراد ہے حضور نبی اکرم ﷺ کی قدر اور احترام بجا لاؤ۔ یہ وَقر سے نکلا ہے۔ اس کا مطلب سنجیدگی، متانت، وقار، حلم اور بردباری ہے۔ جیسا کہ فرمایا گیا:

(الوقار) الحلم. (۳)

(۱) بیضاوي، أنوار التنزيل، ۵: ۲۰۱
(۲) الفتح، ۴۸: ۲۹
(۳) مقری، المصباح المنير، ۲: ۶۶۸

وقار سے مراد حلم ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی توقیر، سنجیدگی، وقار، حلم، بردباری سے کرو تاکہ جسے سنا رہے ہو اس کی طبیعت میں بھی وہی بردباری منتقل ہو جائے۔

۲۔ دوسرے معنی کے لحاظ سے وقر کا معنٰی ہے کانوں کا بہرہ ہو جانا۔ یہاں توقیرِ مصطفیٰ ﷺ سے مراد یہ ہے کہ اگر محبوب کی محبت کی بات ہو تو سماعتوں کو کھلا رکھو اور اگر کوئی زبان درازی کی کوشش کرے تو جیسے سنا ہی نہیں۔ یعنی عاشق وہ ہے جو اپنے محبوب کا چرچا و تعریف ہی کرے اور سنے۔

(۴) صحابہ کرام ﷡ کی توقیرِ مصطفیٰ ﷺ کے چند مظاہر

صحابہ کرام ﷡ کے شب و روز توقیرِ مصطفیٰ ﷺ اور تعظیم مصطفیٰ ﷺ میں گزرتے تھے۔ وہ ہر پل ہر گھڑی حضور ﷺ کی اتباع و اطاعت میں فنا رہتے تھے۔ وہ کیسے پیکر ادب، توقیر اور تعظیم مصطفیٰ ﷺ کے پیکر تھے،

۱۔ اس کی ایک جھلک حضرت ابو جُحَیفہ ﷛ کے الفاظ سے یوں بیان ہوئی ہے:

رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ فِي قُبَّةٍ حَمْرَاءَ مِنْ أَدَمٍ، وَرَأَيْتُ بِـلَالًا أَخَذَ وَضُوْءَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ، وَرَأَيْتُ النَّاسَ يَبْتَدِرُوْنَ ذَاكَ الْوَضُوْءَ، فَمَنْ أَصَابَ مِنْهُ شَيْئًا تَمَسَّحَ بِهٖ، وَمَنْ لَمْ يُصِبْ مِنْهُ شَيْئًا أَخَذَ مِنْ بَلَلِ يَدِ صَاحِبِهٖ. (۱)

میں نے رسول اللہ ﷺ کو چمڑے کے ایک سرخ خیمے میں دیکھا اور حضرت بلال ﷛ کو آپ ﷺ کا استعمال شدہ پانی لیتے دیکھا اور پھر میں نے دیکھا کہ لوگ آپ ﷺ

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ في الثوب الأحمر، ۱: ۱۴۷، رقم: ۳۶۹

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الصلاۃ، باب سترۃ المصلی، ۱: ۳۶۰، رقم: ۵۰۳

کے استعمال شدہ پانی کی طرف لپک رہے ہیں۔ جسے اس پانی میں سے کچھ مل گیا اُس نے اسے اپنے اُوپر مل لیا اور جسے اس میں سے کچھ نہ مل سکا اُس نے اپنے ساتھی کے ہاتھ (پر ہاتھ مل کر اس) سے تری حاصل کی (اور اسے اپنے جسم پر مل لیا)۔

کوئی اندازہ کرسکتا ہے کہ جب حضور نبی اکرم ﷺ کے وضو کے استعمال شدہ پانی کے ساتھ عقیدت کا یہ عالم ہو تو پھر ذاتِ مصطفیٰ ﷺ کا ادب کیا ہو گا۔

۲۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابو عمرہ رضی اللہ عنہ اپنی دادی حضرت کبشہ انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں:

إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ دَخَلَ عَلَيْهَا وَعِنْدَهَا قِرْبَةٌ مُعَلَّقَةٌ فَشَرِبَ مِنْهَا وَهُوَ قَائِمٌ فَقَطَعَتْ فَمَ الْقِرْبَةِ تَبْتَغِي بَرَكَةَ مَوْضِعِ فِي رَسُوْلِ اللهِ ﷺ. (۱)

رسول اللہ ﷺ ان کے گھر تشریف لے گئے وہاں ان کے پاس ہی ایک مشکیزہ لٹکا ہوا تھا آپ ﷺ نے کھڑے کھڑے اس مشکیزہ کے منہ سے پانی نوش فرمایا تو انہوں نے اس مشکیزے کا دہانہ حضور نبی اکرم ﷺ کے منہ مبارک لگنے کی وجہ سے حصول برکت کے لئے کاٹ کر رکھ لیا۔

امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں اور ریاض الصالحین میں بیان کیا ہے: 'مشکیزے کے منہ کو کاٹ کر رکھنے کے دو اسباب تھے: پہلا سبب تو یہ تھا کہ جس جگہ سرکارِ دو عالم ﷺ کا دہن مبارک لگا تھا اس جگہ کی اس چیز سے حفاظت کی جائے کہ اس جگہ کی کوئی بے ادبی نہ

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، كتاب الأشربة، باب ما جاء في الرخصة في ذلك، ۴: ۳۰۶، رقم: ۱۸۹۲

۲۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الأشربة، باب الشرب قائما، ۲: ۱۱۳۲، رقم: ۳۴۲۳

۳۔ طبراني، العجم الكبير، ۲۵: ۱۵، رقم: ۸

۴۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۵: ۱۱۸، رقم: ۶۰۲۴-۶۰۲۵

کر سکے اور ہر کوئی نہ چھوئے اور دوسرا یہ کہ وہ اس کے ذریعے تبرک حاصل کریں اور شفا حاصل کریں۔[1]

پھر جو حصولِ برکت کے لئے آتا تو آپ مشکیزہ کے دہانے کو پانی میں ڈال کر ہلاتیں وہ حصہ جسے لبِ مصطفیٰ ﷺ لگے ہیں اُسے کائنات کا اثاثہ بنا کے سنبھال لیا۔ پھر جو بھی حصولِ برکت کے لیے آتا اُسے پانی میں ڈال کے اُس کو پلا دیتیں۔ فرماتیں یہ وہ دہانہ ہے جس پر حضور ﷺ کے لب لگے ہیں اور اگر شہر مدینہ میں کوئی بیمار ہو جاتا تو اسے سیدہ کبشہ کے پاس لایا جاتا وہ اسے پانی پلا دیتیں وہ بیمار شفا یاب ہو جاتا۔

۳۔ حضرت اسماء بنتِ ابی بکر رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام حضرت عبداللہ ایک طویل روایت میں بیان کرتے ہیں کہ مجھے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے حضور نبی اکرم ﷺ کے جبّہ مبارک کے متعلق بتایا:

هَذِهِ جُبَّةُ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَأَخْرَجَتْ إِلَيَّ جُبَّةَ طَيَالِسَةٍ كِسْرَوَانِيَّةٍ، لَهَا لِبْنَةُ دِيْبَاجٍ، فَرْجَيْهَا مَكْفُوْفَيْنِ بِالدِّيْبَاجِ. فَقَالَتْ: هَذِهِ كَانَتْ عِنْدَ عَائِشَةَ حَتَّى قُبِضَتْ، فَلَمَّا قُبِضَتْ قَبَضْتُهَا. وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَلْبَسُهَا، فَنَحْنُ نَغْسِلُهَا لِلْمَرْضٰى يُسْتَشْفٰى بِهَا.[2]

---

(۱) ۱۔ نووی، شرحه علی صحیح مسلم، ۱۴: ۱۹۴
۲۔ أیضاً، ریاض الصالحین، ۱: ۲۰۴

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب اللباس والزینة، باب تحریم استعمال إناء الذهب والفضة علی الرجال، ۳: ۱۶۴۱، رقم: ۲۰۶۹
۲۔ أبو داود، السنن، کتاب اللباس، باب الرخصة فی العلم وخیط الحریر، ۴: ۴۹، رقم: ۴۰۵۴
۳۔ أبو عوانة، المسند، ۱: ۲۳۰، رقم: ۵۱۱
۴۔ بیهقی، السنن الکبری، ۲: ۴۲۳، رقم: ۴۰۱۰

یہ رسول اللہ ﷺ کا جبّہ مبارک ہے اور پھر انہوں نے ایک جبّہ نکال کر دکھایا جو موٹا دھاری دار کسروانی (کسریٰ کے بادشاہ کی طرف منسوب ہے) جبّہ تھا، جس کا گریبان دیباج کا تھا اور اس کے دامنوں پر دیباج کے سنجاف تھے۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے فرمایا: یہ مبارک جبّہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ان کی وفات تک محفوظ رہا، جب ان کی وفات ہوئی تو یہ میں نے لے لیا۔ یہی وہ مبارک جبّہ ہے جسے حضور نبی اکرم ﷺ پہنا کرتے تھے۔ سو ہم اسے دھو کر اس کا پانی بیماروں کو پلاتے ہیں اور اس کے ذریعے شفا طلب کی جاتی ہے۔

۴۔ حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں مدینہ منورہ حاضر ہوا تو مجھے حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ملے۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا:

اُنْطَلِقْ إِلَی الْمَنْزِلِ فَأَسْقِيَکَ فِي قَدَحٍ شَرِبَ فِيْهِ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَتُصَلِّي فِي مَسْجِدٍ صَلّٰی فِيْهِ النَّبِيُّ ﷺ، فَانْطَلَقْتُ مَعَهُ فَسَقَانِي سَوِيْقًا وَأَطْعَمَنِي تَمْرًا وَصَلَّيْتُ فِي مَسْجِدِهٖ.(۱)

آؤ میرے ساتھ میرے گھر چلو تاکہ میں (بطورِ تبرک) تمہیں اس پیالے میں پلاؤں جس میں رسول اللہ ﷺ نوش فرمایا کرتے تھے اور اس مسجد میں نماز پڑھاؤں جس میں حضور نبی اکرم ﷺ نے نماز پڑھی ہے۔ پس میں ان کے ساتھ چلا گیا تو اُنہوں نے مجھے (اس متبرک پیالے میں) ستّو پلائے اور کھجوریں کھلائیں اور میں نے آپ ﷺ کی مسجد میں نماز بھی پڑھی۔

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب ما ذکر النبي ﷺ وحض علی اتفاق أہل العلم وما اجتمع علیه الحرمان مکة والمدینة، ۶: ۲۶۷۳، رقم: ۶۹۱۰

۲۔ بیہقي، السنن الکبری، ۵: ۳۴۹، رقم: ۱۰۷۰۸

۳۔ عسقلاني، فتح الباري، ۷: ۱۳۱، رقم: ۳۶۰۳

۴۔ عیني، عمدة القاري، ۲۵: ۶۱، رقم: ۷۳۴۲

۵۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک عورت چادر لے کر حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئی۔ اس عورت نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ﷺ میں یہ چادر آپ ﷺ کے اوڑھنے کے لیے لائی ہوں تو آپ ﷺ نے وہ چادر قبول فرما لی۔ آپ ﷺ کو اس وقت چادر کی ضرورت تھی اور فوراً اسے پہننے کا شرف بخشا، جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک شخص نے اسے آپ ﷺ کے جسمِ اَطہر پر دیکھا تو اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ تو بہت اچھی ہے، لہٰذا یہ مجھے اوڑھا دیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: لے لو (اور اسے چادر عطا فرما دی)۔ جب حضور ﷺ اٹھ کر تشریف لے گئے تو دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انہیں ملامت کی اور کہا کہ تم نے اچھا نہیں کیا۔ جب تم نے یہ دیکھ لیا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اسے قبول فرما لیا اور آپ ﷺ کو اس چادر کی ضرورت بھی ہے اس کے باوجود تم نے وہی مانگ لی جبکہ تم یہ جانتے بھی تھے کہ جب آپ ﷺ سے سوال کیا جائے تو آپ ﷺ انکار نہیں فرماتے۔ اس صحابی نے کہا:

رَجَوْتُ بَرَكَتَهَا حِيْنَ لَبِسَهَا النَّبِيُّ ﷺ لَعَلِّي أُكَفَّنُ فِيْهَا.[1]

میں اس چادر سے حصولِ برکت کا امیدوار ہوں کیوں کہ اسے حضور نبی اکرم ﷺ کے جسمِ اطہر سے لگنے کا شرف حاصل ہو گیا ہے۔ لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ مجھے اسی میں کفنایا جائے۔‘‘

۶۔ امام ابو عبد الرحمٰن السلمی اپنی کتاب الطبقات میں بیان کرتے ہیں کہ ایک نوجوان صحابی حضور ﷺ کی بارگاہ میں آیا کرتا تھا، وہ خاموشی کا پیکر بن کر حضور ﷺ کی زیارت کیا کرتا تھا اور حضور ﷺ کی مجلس میں رہ کر استفادہ کرتا تھا۔ ایک روز اُس سے ایک گناہ سرزد ہو گیا، جس کے باعث وہ صحابی رضی اللہ عنہ سخت پریشان ہوا۔ اس نے سوچا کہ اب میری نگاہیں اس قابل نہیں کہ چہرۂ مصطفیٰ ﷺ کا نظارہ کر سکوں، اسی پر ادبِ مصطفیٰ ﷺ میں اس نے شہر مدینہ چھوڑ دیا اور دور پہاڑوں کے درمیان غاروں میں جا کر رہنا شروع کر دیا۔

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الأدب، باب حسن الخلق والسخاء وما یکره من البخل، ۵: ۲۲۴۵، رقم: ۵۶۸۹

اللہ رب العزت نے جبریل امین کو بھیج کر حضور ﷺ کو بتا دیا کہ فلاں شخص مدینہ چھوڑ کر فلاں پہاڑی کے درمیان بیٹھا ہے۔ حضور ﷺ نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ جاؤ اُس صحابی کو واپس لے آؤ۔ آپ رضی اللہ عنہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے اس کے پاس پہنچے اور فرمایا: مجھے حضور ﷺ نے تمہیں لے کر آنے کے لیے بھیجا ہے فرمایا: اے عمر! پھر وعدہ کریں کہ مجھے اُس حال میں لے جائیں کہ جب حضور ﷺ اقامت کے بعد جماعت شروع کرا چکے ہوں، کیونکہ میں اس قابل نہیں کہ حضور ﷺ کا چہرہ تک سکوں۔ چنانچہ جب اقامت ہوگئی اور آقا ﷺ نے نماز شروع کروا دی تو اُس وقت وہ صحابی رضی اللہ عنہ بھی جماعت میں شامل ہو گئے۔ جب آقا ﷺ نے نماز ختم کروائی تو اُس سے فرمایا اے بچے! تو نے کون سا ایسا گناہ کیا تھا جو گھبرا کے مجھ سے دور چلا گیا؟ جب میں تجھے دیکھتا تھا تو تمہارے لیے دعائے مغفرت کیا کرتا تھا۔ یہ سن کر اُس کی آہ نکلی اور اُس کی روح قفص عنصری سے پرواز کر گئی۔ حضور ﷺ کے ہاتھوں اس کی تجہیز و تکفین ہوئی۔ آپ ﷺ نے تدفین کے بعد اس کے لئے ہاتھ اٹھا دیے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ آقا! اپنے پاؤں مبارک کے پنجوں پر چل رہے ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پوچھتے ہیں: یا رسول اللہ! آپ اس طرح کیوں چل رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جب سے خدا نے اُس کی مغفرت کر دی کائنات کے فرشتے اسے رشک کی آنکھوں سے دیکھنے کے لیے زمین پر اتر آئے ہیں۔ مجھے زمین پر جگہ نہیں مل رہی کہ پورا قدم رکھ سکوں۔

چنانچہ آج کے دور میں نصرتِ دینِ مصطفیٰ ﷺ کا تقاضا یہ ہے کہ احیائے سنت مصطفیٰ کے لیے امت کو پھر سے بیدار ہو جائے اور ہمیں اُس خدمت دین مصطفیٰ کے لیے نَصَرُوْہُ کے مصداق بننا ہوگا۔

۴۔ نصرتِ دین کا فریضہ

سورۃ الاعراف کی آیت نمبر ۱۵۷ میں وَنَصَرُوْہُ کا بیان انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ سوال یہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کو کس کام میں مدد درکار تھی۔ آپ ﷺ نے کوئی ذاتی حکومت تو قائم نہیں کی تھی جس کے لیے انہیں مدد درکار ہو۔ آپ ﷺ کی ذاتی حفاظت کے لئے تو اللہ

تبارک وتعالیٰ کی مدد ہی کافی تھی۔ درحقیقت آپ ﷺ کو اپنے اس مشن کی تکمیل کے لئے مدد درکار تھی جس کے لئے آپ ﷺ مبعوث فرمائے گئے تھے اور وہ اقامتِ دین تھا۔

آپ ﷺ کو اقامتِ دین کے لئے کی جانے والی جاں گسل جدوجہد میں مددگاروں کی ضرورت تھی۔ گویا آپ ﷺ کی طرف سے مَنْ أَنْصَارُ اللهِ؟ کی صدائے عام تھی کہ مجھے اللہ کے دین کو غالب کرنا ہے۔ یہ میرا فرض منصبی ہے کون ہے جو اس عظیم جدوجہد میں میرا مددگار اور جان نثار بننے کے لئے تیار ہے؟ چنانچہ بتوفیق الٰہی آپ ﷺ نے اپنی شبانہ روز جد و جہد اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بے مثال اور لازوال قربانیوں کے طفیل خطۂ عرب میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے دین کو غالب کر کے اپنے مشن کی تکمیل کر دی اور ایک مختصر سے عرصہ میں ایسا انقلاب برپا ہوا جس کا تاریخِ انسانی میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ حضور ﷺ کے دین کی ہر طرح سے مدد کرنا قیامت تک کے لئے امتِ مسلمہ پر فرض ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ نعمت ہے۔ سورۃ المائدۃ میں ارشاد ہوتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ. (1)

اے ایمان والو! تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے گا تو عنقریب اللہ (ان کی جگہ) ایسی قوم کو لائے گا جن سے وہ (خود) محبت فرماتا ہوگا اور وہ اس سے محبت کرتے ہوں گے۔

یعنی خدمتِ دین کی توفیق ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ ہمیشہ اس کی طلب اور اس پر مداومت کی دعا مانگتے رہنے چاہیے۔

---

(۱) المائدۃ، ۵:۵۴

۵۔ نصرتِ دین کے لیے تمسک بالقرآن وقت کی اَہم ضرورت ہے

سورۃ الاعراف کی آیت نمبر ۱۵۷ میں چوتھا نکتہ یہ بیان ہوا ہے:

وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ.

اور اس نور (قرآن) کی پیروی کریں گے جو ان کے ساتھ اتارا گیا ہے۔

قرآن مجید کامیاب زندگی بسر کرنے کا ایک ایسا چارٹر ہے جسے حضور نبی اکرم ﷺ کے قلب انور پر نازل فرمایا گیا ہے۔ اس نورِ سرمدی سے تاریک دلوں میں ایمان کی شمع روشن کرنے کی ضرورت ہے۔ نبوت کے چہارگانہ فرائض میں سے ایک کتاب کتاب اللہ کی تعلیم بھی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ○[1]

اسی طرح ہم نے تمہارے اندر تمہی میں سے (اپنا) رسول بھیجا جو تم پر ہماری آیتیں تلاوت فرماتا ہے اور تمہیں (نفسًا و قلبًا) پاک صاف کرتا ہے اور تمہیں کتاب کی تعلیم دیتا ہے اور حکمت و دانائی سکھاتا ہے اور تمہیں وہ (اسرارِ معرفت وحقیقت) سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے ○

حضرات ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام نے تعمیر کعبہ کے وقت جو دعا مانگی، اس میں بھی انہی چار فرائضِ نبوت کا ذکر تھا۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ

(۱) البقرة، ۲: ۱۵۱

وَالۡحِکۡمَةَ وَیُزَکِّیۡهِمۡ ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ۝[1]

اے ہمارے رب! ان میں انہی میں سے (وہ آخری اور برگزیدہ) رسول (ﷺ) مبعوث فرما جو ان پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے (کر دانائے راز بنا دے) اور ان (کے نفوس وقلوب) کو خوب پاک صاف کر دے، بے شک تو ہی غالب حکمت والا ہے ۝

جو پیغمبر ﷺ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تعلیم دینے کے لیے مبعوث ہوئے ہوں اور یہ آپ ﷺ کا اہم فریضۂ نبوت ہو تو کیسے ممکن ہے کہ اُمتی اُس کتاب اللہ کے علم اور اس پر عمل کیے بغیر دنیوی و اخروی فلاح حاصل کر لے! آج ہم اسی لیے محکوم و مغلوب ہیں کہ ہم نے قرآن کو چھوڑ دیا ہے۔ بے شمار احادیث مبارکہ بھی اس امر کی تائید کرتی ہیں۔

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا فرمان اقدس ہے:

تَرَکۡتُ فِیۡکُمۡ أَمۡرَیۡنِ، لَنۡ تَضِلُّوۡا مَا تَمَسَّکۡتُمۡ بِهِمَا: کِتَابَ اللهِ وَسُنَّةَ نَبِیِّهٖ.[2]

میں تمہارے پاس دو (اہم) چیزیں چھوڑ رہا ہوں، اگر تم انہیں تھامے رکھو گے (یعنی اِن پر عمل پیرا رہو گے) تو کبھی گمراہ نہ ہو گے: وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اُس کے نبی ﷺ کی سنت ہے۔

۲۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

یَا أَیُّهَا النَّاسُ، إِنِّي قَدۡ تَرَکۡتُ فِیۡکُمۡ مَا إِنِ اعۡتَصَمۡتُمۡ بِهٖ فَلَنۡ تَضِلُّوۡا أَبَدًا:

---

(۱) البقرة، ۲:۱۲۹

(۲) مالك، الموطأ، کتاب القدر، باب النهي عن القول بالقدر، ۲:۸۹۹، رقم:۱۵۹۴

كِتَابَ اللهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهٖ.(۱)

اے لوگو! یقیناً میں تمہارے درمیان وہ چیز چھوڑ رہا ہوں، جب تک تم اسے مضبوطی سے تھامے رہو گے (یعنی ان پر عمل پیرا رہو گے تو) ہرگز گمراہ نہیں ہوگے: وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے نبی ﷺ کی سنت ہے۔

۳۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنِّي قَدْ خَلَّفْتُ فِيكُمْ مَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُمَا مَا أَخَذْتُمْ بِهِمَا أَوْ عَمِلْتُمْ بِهِمَا: كِتَابَ اللهِ وَسُنَّتِي، وَلَنْ تَفَرَّقَا حَتّٰى يَرِدَا عَلَيَّ الْحَوْضَ.(۲)

میں نے اپنے بعد تمہارے درمیان دو (اہم) چیزیں چھوڑی ہیں، جب تک تم اِنہیں تھامے رکھو گے یا ان پر عمل پیرا رہو گے، ہرگز گمراہ نہ ہو گے، (وہ) اللہ تعالیٰ کی کتاب اور میری سنت ہے۔ یہ دونوں (قرآن و سنت) ہرگز جدا نہیں ہوں گی (یعنی دونوں ایک دوسرے کو تائید اور تقویت دیں گی) یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر اکٹھی حاضر ہوں گی۔

۴۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے مرضِ وصال میں (اپنے حجرۂ مبارک سے نکل کر) ہماری طرف تشریف لائے جب کہ ہم صبح کی نماز ادا کر رہے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے امامت کا مصلیٰ چھوڑ کر پیچھے ہونا چاہا تو آپ ﷺ نے اِشارہ

---

(۱) ۱۔ حاکم، المستدرک، ۱: ۱۷۱، رقم: ۳۱۸
۲۔ بیہقی، السنن الکبری، ۱۰: ۱۱۴، رقم: ۲۰۱۲۳
۳۔ بیہقی، الاعتقاد، ۱: ۲۲۸
۴۔ مروزی، السنۃ، ۱: ۲۶، رقم: ۶۸

(۲) ۱۔ حاکم، المستدرک، کتاب العلم، ۱: ۱۷۲
۲۔ بیہقی، السنن الکبری، ۱۰: ۱۱۴، رقم: ۲۰۱۲۴
۳۔ لالكائي، شرح أصول اعتقاد أهل السنة، ۱: ۴۵، رقم: ۹۰

فرمایا کہ اپنی جگہ پر ہی رہو اور آپ ﷺ نے جماعت کی امامت فرمائی۔ جب آپ ﷺ نماز کی ادائیگی سے فارغ ہو گئے تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ، إِنِّي قَدْ تَرَكْتُ فِيكُمُ الثَّقَلَيْنِ: كِتَابَ اللهِ وَسُنَّتِي فَاسْتَنْطِقُوا الْقُرْآنَ بِسُنَّتِي، وَلَا تَعْسِفُوهُ، فَإِنَّهُ لَنْ تَعْمَى أَبْصَارُكُمْ، وَلَنْ تَزِلَّ أَقْدَامُكُمْ، وَلَنْ تُقَصِّرَ أَيْدِيكُمْ مَا أَخَذْتُمْ بِهِمَا. (۱)

اے لوگو! میں نے تمہارے درمیان کتاب اللہ اور اپنی سنت (کی شکل میں) دو قیمتی چیزیں چھوڑی ہیں۔ لہٰذا تم قرآن کو میری سنت کے ذریعے سمجھو، اور فہم قرآن میں تکلف سے کام نہ لو (یعنی اپنی مرضی کا مطلب نہ نکالو)۔ بے شک (جب تک تم اِن دونوں کو مضبوطی سے تھامے رہو گے) تمہاری نگاہیں (حق کو پہچاننے سے) قاصر نہیں رہیں گی، تمہارے قدم (راہِ حق سے) ہرگز نہیں پھسلیں گے اور تمہارے ہاتھ (کارِ خیر کی انجام دہی میں) ہرگز کوتاہی نہیں کریں گے۔

اِس وقت مسلم اُمہ قرآن مجید سے دوری کے سبب ذلت کا شکار ہے۔ مسلم امہ کے مردہ دل میں منزل کی تڑپ پیدا کرنا ہی حقیقی نصرتِ دین ہے۔ اسے جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر ہدایت کی روشنی کی طرف لانے کی اشد ضرورت ہے۔ اس وقت خوابِ غفلت میں پڑی امتِ مسلمہ کو جگانے کی اشد ضرورت ہے، تاکہ تجدید و اِحیاء دین میں از سر نو سرگرم عمل ہوا جا سکے۔ اس کا واحد حل قرآن اور صاحبِ قرآن ﷺ سے سے ہمارا تمسک ہونا ہے۔ اور یہی حضور نبی اکرم ﷺ سے محبت کا تقاضا بھی ہے کہ قرآن کی پیروی کی جائے اور آپ ﷺ کی اتباع کی جائے۔

۱۔ سرخیل عشاقان مصطفیٰ قاضی عیاض فرماتے ہیں:

إِعْلَمْ أَنَّ مَنْ أَحَبَّ شَيْئًا آثَرَهُ وَآثَرَ مُوَافَقَتَهُ، وَإِلَّا لَمْ يَكُنْ صَادِقًا فِي حُبِّهِ،

---

(۱) خطیب بغدادی، الفقیہ والمتفقہ، ۱:۲۷۵

وَكَانَ مُدَّعِيًا. فَالصَّادِقُ فِي حُبِّ النَّبِيِّ ﷺ مَنْ تَظْهَرُ عَلَامَةُ ذٰلِكَ عَلَيْهِ، وَأَوَّلُهَا: الْاِقْتِدَاءُ بِهٖ، وَاسْتِعْمَالُ سُنَّتِهٖ، وَاتِّبَاعُ أَقْوَالِهٖ وَأَفْعَالِهٖ وَامْتِثَالُ أَوَامِرِهٖ، وَاجْتِنَابُ نَوَاهِيْهِ، وَالتَّأَدُّبُ بِآدَابِهٖ فِي عُسْرِهٖ وَيُسْرِهٖ، وَمَنْشَطِهٖ وَمَكْرَهِهٖ، وَشَاهِدُ هٰذَا قَوْلُهٗ تَعَالٰى: ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللهُ﴾[1] [2].

اِس بات کو خوب جان لو کہ جو شخص جس شے سے محبت کرتا ہے اسے اور اس کی موافقت کو وہ سب پر ترجیح دیتا ہے۔ بصورت دیگر وہ اس کی محبت میں سچا نہیں ہوگا اور محض دعوے دار ہوگا۔ لہٰذا حضور نبی اکرم ﷺ کی محبت میں صرف وہی سچا ہے جس پر اس محبت کی علامات ظاہر ہوں۔ آپ ﷺ سے محبت کی پہلی علامت یہ ہے کہ وہ آپ ﷺ کی پیروی کرے اور آپ ﷺ کی سنت پر عمل پیرا ہو۔ آپ ﷺ کے افعال و اقوال کی اتباع کرے، آپ ﷺ کے حکم کو بجا لائے اور ممنوع اُمور سے اجتناب کرے، تنگی و فراخی، خوشی و غمی ہر حال میں آپ ﷺ کے آداب سے نصیحت حاصل کرے۔ اِس علامت کی حجت و دلیل اس آیت کریمہ میں ہے: ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللهُ﴾ '(اے حبیب!) آپ فرما دیں: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو تب اللہ تمہیں (اپنا) محبوب بنا لے گا۔'

۲۔ امام قسطلانی بیان کرتے ہیں:

لِمَحَبَّةِ الرَّسُوْلِ ﷺ عَلَامَاتٌ: أَعْظَمُهَا الْاِقْتِدَاءُ بِهٖ، وَاسْتِعْمَالُ سُنَّتِهٖ، وَسُلُوْكُ طَرِيْقَتِهٖ، وَالْاِهْتِدَاءُ بِهَدْيِهٖ وَسِيْرَتِهٖ، وَالْوُقُوْفُ مَعَ مَا حَدَّ لَنَا مِنْ شَرِيْعَتِهٖ. قَالَ اللهُ تَعَالٰى: ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ

(۱) آل عمران، ۳:۳۱

(۲) قاضي عياض، الشفا:۴۹۹

اللهُ﴾[۱]، فَجَعَلَ تَعَالٰى مُتَابَعَةَ الرَّسُوْلِ ﷺ آيَةَ مَحَبَّةِ الْعَبْدِ رَبَّهُ، وَجَعَلَ جَزَاءَ الْعَبْدِ عَلٰى حُسْنِ مُتَابَعَةِ الرَّسُوْلِ مَحَبَّةَ اللهِ تَعَالٰى إِيَّاهُ.[۲]

حضور نبی اکرم ﷺ کی محبت کی کچھ علامات ہیں: سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ آپ ﷺ کی (کامل) اقتداء کرنا اور آپ ﷺ کی سنت مطہرہ پر عمل پیرا ہونا، آپ ﷺ کے طریق پر چلنا، آپ ﷺ کی سیرت و ہدایت سے رہنمائی حاصل کرنا، اور آپ ﷺ کی متعین کردہ حدود شریعت کی پاسداری کرنا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے: ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللهُ﴾ '(اے حبیب!) آپ فرما دیں: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو تب اللہ تمہیں (اپنا) محبوب بنا لے گا'۔ پس اللہ تعالیٰ نے رسول مکرم ﷺ کی اتباع کو بندے کی اپنے رب سے محبت کی علامت قرار دیا اور رسول مکرم ﷺ کی اَحسن اِتباع کی جزا بندے کے لیے اللہ تعالیٰ کی محبت کو قرار دیا۔

۳۔ ایک اور مقام پر امام قسطلانی بیان کرتے ہیں:

رَأْسُ الْأَدَبِ مَعَهُ ﷺ كَمَالُ التَّسْلِيمِ لَهُ وَالْاِنْقِيَادُ لِأَمْرِهِ، وَتَلَقِّي خَبَرِهِ بِالْقَبُوْلِ وَالتَّصْدِيْقِ دُوْنَ أَنْ يَحْمِلَهُ مُعَارَضَةُ خِيَالٍ بَاطِلٍ يُسَمِّيهِ صَاحِبُهُ مَعْقُوْلًا، أَوْ يُسَمِّيهِ شُبْهَةً، أَوْ شَكًّا، أَوْ يُقَدِّمُ عَلَيْهِ آرَاءَ الرِّجَالِ وَزَبَالَاتِ أَذْهَانِهِمْ، فَيُوَحِّدُ التَّحْكِيمَ وَالتَّسْلِيْمَ وَالْاِنْقِيَادَ وَالإِذْعَانَ، كَمَا وَحَّدَ الْمُرْسِلَ بِالْعِبَادَةِ وَالْخُضُوْعِ وَالذُّلِّ وَالإِنَابَةِ وَالتَّوَكُّلِ.[۳]

رسول مکرم ﷺ کے ساتھ کمالِ ادب یہ ہے کہ آپ ﷺ کو کامل طور پر (دل و جان سے) تسلیم کرنا اور آپ ﷺ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنا۔ آپ ﷺ کی حدیث کو

(۱) آل عمران، ۳: ۳۱
(۲) قسطلانی، المواہب اللدنیۃ، ۲: ۴۹۱
(۳) قسطلانی، المواہب اللدنیۃ، ۲: ۴۹۵

(محدثین کی شرائط) قبولیت اور تصدیق کے مطابق حاصل کرنا بغیر کسی خیال فاسد کے۔ جسے اس کا صاحب خواہ معقولات کا نام دے یا شبہ اور شک کا۔ آپ ﷺ کی حدیث کے مقابلہ میں لوگوں کی بیکار ذہنی اختراعات کو مقدم نہ کرنا۔ آپ ﷺ کی حکمرانی اور فیصلوں کو تسلیم کرنا، آپ ﷺ کی اطاعت اور فرمانبرداری کو ایک ہی درجہ میں سمجھنا، جس طرح اللہ تعالیٰ کو عبادت، خضوع وخشوع، عاجزی، انابت اور توکل میں یکتا مانا جاتا ہے۔

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ محبت اور اتباع دونوں ناگزیر ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیبِ مکرم ﷺ سے محبت اور کامل اتباع ہی دنیا و آخرت میں کامیابی کی ضامن ہے۔ صرف باتوں سے اور محبت کے زبانی دعووں سے کامیابی مقدر نہیں ہوسکتی۔

۶۔ حاصلِ کلام

مذکورہ بحث کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ وقت کی یہ عین ضرورت ہے کہ ہم اس دورِ پرفتن میں اتباعِ مصطفیٰ ﷺ کی ترنگ میں ایسے جھوم کر اٹھیں کہ آنے والا کل ہمیں نئی صبح کی نوید دے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنے قلب کے ساتھ ساتھ اعمال کا مرکز بھی رسولِ مکرم ﷺ کی ذاتِ مبارکہ کو قرار دے کر علم وعمل، تقویٰ، زہد و ورع اور انسان دوستی کو آپ ﷺ کی سنت سمجھ کر اختیار کریں۔ اگر ہم نے اس نسخۂ کیمیاء کو اختیار کر لیا تو کوئی شک نہیں کہ ہم قرونِ اُولیٰ کی یاد تازہ کرتے ہوئے پوری دنیا کو اسلام کا امن، رحمت اور انسان دوستی کا مژدہ جاں فزا دیں گے۔ اس طرح ہم علم، عمل، تقویٰ، طہارت اور دلیل کے ہتھیاروں سے لیس ہو کر پوری دنیا کو دینِ اسلام کی طرف راغب دے سکیں گے۔ یہ انداز کچھ ایسا کمال کا ہو کہ دنیا زبان نہیں بلکہ عمل سے ثابت کردے کہ اسلام تلوار سے نہیں بلکہ محسنِ انسانیت ﷺ کے آفاقی افکار اور مسلمانوں کے بلند کردار اور شیریں گفتار سے پھیلا ہے۔ اگر ہم نے خود کو ان اوصاف سے متصف کرلیا تو دنیا کی کوئی طاقت مصطفوی انقلاب کا سویرا نہیں روک سکتی۔

مصادر و مراجع

۱۔ **القرآن الکریم۔**

۲۔ **ابو المحاسن،** یوسف بن موسیٰ الحنفی ابو المحاسن۔ **معتصر المختصر۔** بیروت، لبنان، عالم الکتب۔

۳۔ **احمد بن حنبل،** ابو عبد اللہ شیبانی (۱٦٤-۲٤۱ھ/ ۷۸۰-۸۵۵ء)۔ **المسند۔** بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی للطباعۃ والنشر، ۱۳۹۸ھ/۱۹۸۷ء۔

٤۔ **بخاری،** ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ (۱۹٤-۲۵٦ھ/ ۸۱۰-۸۷۰ء)۔ **الأدب المفرد۔** بیروت، لبنان: دار البشائر الاسلامیہ، ۱٤۰۹ھ/ ۱۹۸۹ء۔

۵۔ **بخاری،** ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ (۱۹٤-۲۵٦ھ/ ۸۱۰-۸۷۰ء)۔ **الصحیح۔** بیروت، لبنان: دار ابن کثیر، الیمامہ، ۱٤۰۷ھ/۱۹۸۷ء۔

٦۔ **بزار،** ابو بکر احمد بن عمرو بن عبد الخالق بصری (۲۱۵-۲۹۲ھ/ ۸۳۰-۹۰۵ء)۔ **المسند (البحر الزخار)۔** بیروت، لبنان: مؤسسۃ علوم القرآن، ۱٤۰۹ھ۔

۷۔ **بیضاوی،** ناصر الدین، ابو الخیر عبداللہ بن عمر بن محمد شیرازی (م ۷۹۱ھ)۔ **أنوار التنزیل وأسرار التأویل۔** قاہرہ، مصر: وطبعۃ الحلبی واوادہ، (۱۳۸۸ھ/ ۱۹٦۸)۔

۸۔ **بیضاوی،** ناصر الدین، ابو الخیر عبداللہ بن عمر بن محمد شیرازی (م ۷۹۱ھ)۔ **أنوار التنزیل وأسرار التأویل۔** بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی، ۱٤۱۸ھ۔

۸۔ **بیہقی،** ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸٤-٤۵۸ھ/ ۹۹٤-

١٠٦٦ء)۔ **الاعتقاد.** بیروت، لبنان: دارالآفاق الجدیدة، ١٤٠١ھ۔

٩۔ **بیہقی**، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (٣٨٤-٤٥٨ھ/ ٩٩٤-١٠٦٦ء)۔ **السنن الکبری۔** مکہ مکرمہ، سعودی عرب: مکتبہ دار الباز، ١٤١٤ھ/ ١٩٩٤ء۔

١٠۔ **بیہقی**، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (٣٨٤-٤٥٨ھ/ ٩٩٤-١٠٦٦ء)۔ **شعب الإیمان۔** بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ١٤١٠ھ/ ١٩٩٠ء۔

١١۔ **ترمذی**، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ بن ضحاک (٢٠٩-٢٧٩ھ/ ٨٢٥-٨٩٢ء)۔ **السنن۔** بیروت، لبنان: دار إحیاء التراث العربی۔

١٢۔ **ترمذی**، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ بن ضحاک (٢٠٩-٢٧٩ھ/ ٨٢٥-٨٩٢ء)۔**الشمائل المحمدیة۔** بیروت، لبنان: مؤسسہ الکتب الثقافہ، ١٤١٢ھ۔

١٣۔ **تھانوی**، اشرف علی (١٢٨٠-١٣٦٢ھ/١٨٦٣-١٩٤٣ء)۔ **نشر الطیب في ذکر النبي الحبیب** ۔کراچی، پاکستان: ایچ۔ایم سعید کمپنی، ١٩٨٩ء۔

١٤۔ **حاکم**، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد (٣٢١-٤٠٥ھ/٩٣٣-١٠١٤ء)۔ **المستدرک علی الصحیحین۔** بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ١٤١١ھ/ ١٩٩٠ء۔

١٥۔ **ابن حبان**، ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان التمیمی البستی (٢٧٠-٣٥٤ھ/ ٨٨٤-٩٦٥ء)۔ **الصحیح۔** بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ١٤١٤ھ/ ١٩٩٣ء۔

١٦۔ **ابن حجر عسقلانی**، احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (٧٧٣-٨٥٢ھ/

۱۳۷۲-۱٤٤۹ء)۔ **الإصابة في تمييز الصحابة**۔ بیروت، لبنان: دار الجیل، ۱٤۱۲ھ/۱۹۹۲ء۔

۱۷۔ **ابن حجر عسقلانی**، احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳-۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲-۱٤٤۹ء)۔ **فتح الباري**۔ لاہور، پاکستان: دار نشر الکتب الاسلامیہ، ۱٤۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء۔

۱۸۔ **ابن حجر عسقلانی**، احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (۷۷۳-۸۵۲ھ/ ۱۳۷۲-۱٤٤۹ء)۔ **فتح الباري**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ۔

۱۹۔ **حسان بن ثابت** ﷺ، ابن منذر خزرجی (م ٥٤ھ/ ٦۷٤ء)۔ **دیوان**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱٤۱٤ھ/۱۹۹٤ء۔

۲۰۔ **حلبی**، علی بن برہان الدین (م ۱۰٤٤ھ)۔ **إنسان العيون في سيرة الأمين المأمون. الشهير بـ"السيرة الحلبية"**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱٤۰۰ھ۔

۲۱۔ **حلبی**، علی بن برہان الدین (م ۱۰٤٤ھ)۔ **إنسان العيون في سيرة الأمين المأمون. الشهير بـ"السيرة الحلبية"**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱٤۲۷ھ۔

۲۲۔ **خطیب بغدادی**، ابو بکر احمد بن علی بن ثابت بن احمد بن مہدی بن ثابت (۳۹۲۔۴۶۳ھ/ ۱۰۰۲۔ ۱۰۷۱ء)۔ **الفقيه والمتفقه**۔ السعودیہ: دار ابن الجوزی، ۱٤۱۲ھ۔

۲۳۔ **خطیب بغدادی**، ابوبکر احمد بن علی بن ثابت بن احمد بن مہدی بن ثابت (۳۹۲-٤٦۳ھ/۱۰۰۲-۱۰۷۱ء)۔ **موضح أوهام الجمع والتفريق**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱٤۰۷ھ۔

۲٤۔ **دارمی**، ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمٰن (۱۸۱-۲۵٥ھ/ ۷۹۷-۸٦۹ء)۔ **السنن**۔

بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ۔

۲۵۔ **ابو داؤد**، سلیمان بن اشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد ازدی سجستانی (۲۰۲-۲۷۵ھ/۸۱۷-۸۸۹ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۴ء

۲۶۔ **دیلمی**، ابو شجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ الدیلمی الھمذانی (۴۴۵-۵۰۹ھ/ ۱۰۵۳-۱۱۱۵ء)۔ **الفردوس بمأثور الخطاب**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء۔

۲۷۔ **رازی**، فخر الدین محمد بن عمر بن حسن بن حسین بن علی تمیمی شافعی، (۵۴۴-۶۰۴ھ)۔ **مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر)**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۱ھ۔

۲۸۔ **راغب اصفہانی**، ابو قاسم حسین بن محمد (م۵۰۲ھ/۱۱۰۸ء). **المفردات في غریب القرآن**۔ دمشق، شام: دار القلم + بیروت، لبنان: الدار الشامیہ، ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۲ء۔

۲۹۔ **زرقانی**، ابو عبد اللہ محمد بن عبد الباقی بن یوسف بن احمد بن علوان مصری ازہری مالکی (۱۰۵۵-۱۱۲۲ھ/۱۶۴۵-۱۷۱۰ء)۔ **شرح المواھب اللدنیة بالمنح المحمدیة**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۶ء۔

۳۰۔ **زیانی**، ابو القاسم بن احمد بن علی بن ابراہیم (۱۱۴۷-۱۲۴۹ھ/ ۱۷۳۴-۱۸۳۳ء)۔ **الترجمانة الکبری فی أخبار المعمور برًّا وبحرًا**۔ الرباط: دار نشر المعرفہ، ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۱ء۔

۳۱۔ **ابن سعد**، ابو عبد اللہ محمد (۱۶۸-۲۳۰ھ/ ۷۸۴-۸۴۵ء)۔ **الطبقات الکبری**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء۔

۳۲۔ **ابن سعد**، ابو عبد اللہ محمد (۱۶۸-۲۳۰ھ/ ۷۸۴-۸۴۵ء)۔ **الطبقات الکبری**۔ بیروت، لبنان: دار بیروت للطباعہ والنشر، ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء۔

٣٣۔ **شاشی**، ابو سعید ہیثم بن کلیب بن شریح (٣٣٥ھ/٩٤٦ء)۔ **المسند**۔ مدینہ منورہ، السعودیہ: مکتبۃ العلوم والحکم، ١٤١٠ھ۔

٣٣۔ **ابن ابی شیبہ**، ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ الکوفی (١٥٩-٢٣٥ھ/ ٧٧٦-٨٤٩ء)۔ **المصنف**۔ ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ الرشد، ١٤٠٩ھ۔

٣٤۔ **طبرانی**، ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (٢٦٠-٣٦٠ھ/ ٨٧٣-٩٧١ء)۔ **المعجم الأوسط**۔ قاہرہ، مصر: دار الحرمین، ١٤١٥ھ۔

٣٥۔ **طبرانی**، ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (٢٦٠-٣٦٠ھ/ ٨٧٣-٩٧٠ء)۔ **المعجم الکبیر**۔ موصل، عراق: مکتبۃ العلوم والحکم، ١٤٠٣ھ/١٩٨٣ء۔

٣٦۔ **طبرانی**، ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (٢٦٠-٣٦٠ھ/ ٨٧٣-٩٧٠ء)۔ **المعجم الکبیر**۔ قاہرہ، مصر: مکتبہ ابن تیمیہ۔

٣٧۔ **ابن ابی عاصم**، ابوبکر احمد بن عمرو بن ضحاک بن مخلد شیبانی (٢٠٦-٢٨٧ھ/ ٨٢٢-٩٠٠ء)۔ **الآحاد والمثاني**۔ ریاض، سعودی عرب: دار الرایہ، ١٤١١ھ/١٩٩١ء۔

٣٨۔ **عبد بن حمید**، ابو محمد عبد بن حمید بن نصر الکسی (م ٢٤٩ھ/ ٨٦٣ء)۔ **المسند**۔ قاہرہ، مصر: مکتبۃ السنۃ، ١٤٠٨ھ/ ١٩٨٨ء۔

٣٩۔ **عجلونی**، ابو الفداء اسماعیل بن محمد بن عبد الہادی بن عبد الغنی جراحی (١٠٨٧-١١٦٢ھ/١٦٧٦-١٧٤٩ء)۔ **کشف الخفاء ومزيل الإلباس عما اشتهر من الأحاديث على ألسنة الناس**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ١٤٠٥ھ/١٩٨٥ء۔

٤٠۔ **ابن عجیبہ**، ابو العباس احمد بن محمد بن مہدی حسنی (م ١٢٢٤ھ)۔ **إيقاظ الهمم في شرح**

الحِکَم۔ بیروت، لبنان: داردار المعارف۔

۴۱۔ **ابن عساکر**، ابو قاسم علی بن الحسن بن ہبۃ اللہ بن عبد اللہ بن حسین دمشقی الشافعی (۴۹۹-۵۷۱ھ/ ۱۱۰۵-۱۱۷۶ء)۔ **تاریخ مدینۃ دمشق المعروف بہ: تاریخ ابن عساکر**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۹۹۵ء۔

۴۲۔ **ابو عوانہ**، یعقوب بن اسحاق بن إبراہیم بن زید نیشاپوری (۲۳۰-۳۱۶ھ/ ۸۴۵-۹۲۸ء)۔ **المسند**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۹۹۸ء۔

۴۳۔ **عیدروسی**، عبد القادر بن شیخ بن عبداللہ (۹۷۸-۱۰۳۷ھ)۔ **النور السافر**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۰۵ھ۔

۴۴۔ **عینی**، بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین بن یوسف بن محمود (۷۶۲-۸۵۵ھ/ ۱۳۶۱-۱۴۵۱ء)۔ **عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء۔

۴۵۔ **فیومی**، احمد بن محمد بن علی المقری الفیومی (م ۷۷۰ھ)۔ **المصباح المنیر**۔ قم، ایران: منشورات دار الھجرۃ، ۱۴۰۵ھ۔

۴۶۔ **قاضی عیاض**، ابو الفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض بن عمرو بن موسیٰ بن عیاض بن محمد بن موسیٰ بن عیاض (۴۷۶-۵۴۴ھ/ ۱۰۸۳-۱۱۴۹ء)۔ **الشفاء**۔ ملتان، پاکستان: عبدالتواب اکیڈمی۔

۴۷۔ **قرطبی**، ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابو بکر بن فرح (م ۶۷۱ھ)۔ **الإعلام بما في دین النصاری**۔ قاہرہ، مصر: دار التراث العربی، ۱۳۹۸ھ۔

۴۸۔ **قُسطلانی**، ابو العباس شہاب الدین احمد بن محمد (۸۵۱-۹۲۳ھ/ ۱۴۴۸-۱۵۱۷ء)۔ **إرشاد الساري لشرح صحیح البخاري**۔ مصر: دار الفکر، ۱۳۰۴ھ۔

۴۹۔ **قسطلانی**، ابو العباس احمد بن محمد بن ابی بکر بن عبد الملک بن احمد بن محمد بن محمد بن حسین

بن علی (۸۵۱-۹۲۳ھ/۱٤٤۸-۱۵۱۷ء)۔ **المواهب اللدنية بالمنح المحمدية**۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ۱٤۱۲ھ/۱۹۹۱ء۔

۵۰۔ **ابن کثیر**، ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر بن ضوء بن کثیر بن زرع بصروی (۷۰۱-۷۷٤ھ/۱۳۰۱-۱۳۷۳ء)۔ **تحفة الطالب**۔ مکۃ المکرّمہ، السعودیہ: دار حراء، ۱٤۰٦ھ۔

۵۱۔ **لالکائی**، ابو قاسم ھبۃ اللہ بن حسن بن منصور (م ٤۱۸ھ)۔ **شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة من الكتاب والسنة وإجماع الصحابة**۔ الریاض، السعودیہ، دار طیبہ، ۱٤۰۲ھ۔

۵۲۔ **ابن ماجہ**، ابوعبد اللہ محمد بن یزید قزوینی (۲۰۷-۲۷۵ھ/۸۲٤-۸۸۷ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر۔

۵۳۔ **مالک**، ابنِ انس بن مالک بن ابی عامر بن عمرو بن حارث اصبحی (۹۳- ۱۷۹ھ/ ۷۱۲-۷۹۵ء)۔ **الموطأ**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی، ۱٤۰٦ھ/۱۹۸۵ء۔

۵٤۔ **مروزی**، محمد بن نصر بن الحجاج، ابوعبداللہ (۲۰۲-۲۹٤ھ)۔ **السنة**۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الکتب الثقافیہ، ۱٤۰۸ھ۔

۵۵۔ **مسلم**، ابو الحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم بن ورد قشیری نیشاپوری (۲۰٦- ۲٦۱ھ/ ۸۲۱-۸۷۵ء)۔ **الصحيح**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

۵٦۔ **مناوی**، عبدالرؤف بن تاج العارفین بن علی (۹۵۲-۱۰۳۱ھ/ ۱۵٤۵-۱٦۲۱ء)۔ **فيض القدير شرح الجامع الصغير**۔ مصر: مکتبہ تجاریہ کبریٰ، ۱۳۵٦ھ۔

۵۷۔ **منذری**، ابو محمد عبد العظیم بن عبد القوی بن عبد اللہ بن سلامہ بن سعد (۵۸۱-

٦٥٦ھ/١١٨٥- ١٢٥٨ء)۔ **الترغيب والترهيب من الحديث الشريف**۔ بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ، ١٤١٧ھ۔

٥٨۔ **ابن منظور،** محمد بن مکرم بن علی بن احمد بن ابی قاسم بن حبقہ افریقی (٦٣٠-٧١١ھ/ ١٢٣٢-١٣١١ء)۔ **لسان العرب**۔ بیروت، لبنان: دار صادر۔

٥٩۔ **نسائی،** ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب بن علی (٢١٥-٣٠٣ھ/ ٨٣٠-٩١٥ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ١٤١٦ھ/١٩٩٥ء+ حلب، شام: مکتب المطبوعات الاسلامیہ، ١٤٠٦ھ/١٩٨٦ء۔

٦٠۔ **نسائی،** ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی (٢١٥-٣٠٣ھ/ ٨٣٠-٩١٥ء)۔ **السنن الکبری**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ١٤١١ھ/ ١٩٩١ء۔

٦١۔ **ابونعیم،** احمد بن عبد اللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران اصبہانی (٣٣٦-٤٣٠ھ/ ٩٤٨-١٠٣٨ء)۔ **حلية الأولياء وطبقات الأصفياء**۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ١٤٠٥ھ/ ١٩٨٥ء۔

٦٢۔ **ابو نعیم،** احمد بن عبد اللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران اصبہانی (٣٣٦-٤٣٠ھ/٩٤٨-١٠٣٨ء)۔ **مسند الإمام أبي حنيفة**۔ ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ الکوثر، ١٤١٥ھ۔

٦٣۔ **نووی،** ابو زکریا، یحییٰ بن شرف بن مری بن حسن بن حسین بن محمد بن جمعہ بن حزام (٦٣١-٦٧٧ھ/ ١٢٣٣-١٢٧٨ء)۔ **رياض الصالحين من كلام سيد المرسلين** ﷺ۔ بیروت، لبنان: دار الخیر، ١٤١٢ھ/ ١٩٩١ء۔

٦٤۔ **نووی،** ابو زکریا، یحییٰ بن شرف بن مری بن حسن بن حسین بن محمد بن جمعہ بن حزام (٦٣١-٦٧٧ھ/ ١٢٣٣-١٢٧٨ء) **شرح صحيح مسلم**۔ کراچی، پاکستان: قدیمی کتب خانہ، ١٣٧٥ھ/ ١٩٥٦ء۔

٦٥۔ **نیشاپوری**، ابو سعد عبد الملک بن ابی عثمان محمد بن ابراہیم خرکوشی (م۴۰۶ھ)۔ **شرف المصطفیٰ**۔ مکہ مکرمہ، السعودیہ: دار البشائر الاسلامیہ، ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء۔

٦٦۔ **نمری**، ابو زید عمر بن شبہ بصری (م ۲۶۲ھ)۔ **أخبار المدینة**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۶ء۔

٦٧۔ **ولالی**، ابو العباس احمد بن محمد بن یعقوب (م ۱۱۲۸ھ/۱۷۱۷ء)۔ **مباحث الأنوار في أخبار بعض الأخيار**۔ ۱۹۹۹ء۔

٦٨۔ **ہیثمی**، نور الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر بن سلیمان (۷۳۵-۸۰۷ھ/۱۳۳۵-۱۴۰۵ء)۔ **مجمع الزوائد ومنبع الفوائد**۔ قاہرہ، مصر: دار الریان للتراث + بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء۔

٦٩۔ **ابو یعلی**، احمد بن علی بن مثنی بن یحییٰ بن عیسیٰ بن ہلال موصلی تمیمی (۲۱۰-۳۰۷ھ/۸۲۵-۹۱۹ء)۔ **المسند**۔ دمشق، شام: دار المأمون للتراث، ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء۔

MINHAJ BOOKS STORE
Online Shopping

Order on WhatsApp

+92 309 7417163

1

کتابوں کی خریداری کیلئے پر کلک کریں

2

کیٹلاگ سے کتابیں منتخب کریں

3

منتخب شدہ کتب کو خریداری ٹوکری میں شامل کرنے کیلئے "ایڈ ٹو کارٹ" بٹن دبائیں۔

پر کلک کر کے مزید کتب کی خریداری جاری رکھ سکتے ہیں یا اپنی خریداری ٹوکری دیکھنے کیلئے بٹن دبا سکتے ہیں۔

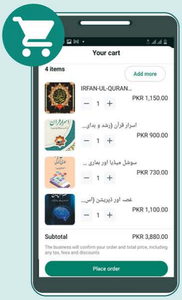

4

آپ خریداری ٹوکری میں ایک یا ایک سے زیادہ کتابیں شامل کر سکتے ہیں۔

کتابیں شامل کرنے کے بعد آرڈر کا بٹن دبائیں

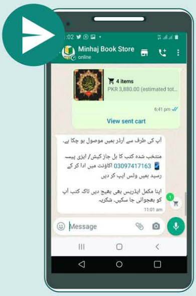

5

منتخب شدہ کتابوں کی ٹوکری میسج کریں۔

6

بل جاز کیش / ایزی پیسہ اکاؤنٹ میں ادا کریں

اب آپ کی طرف سے آرڈر مکمل ہو گیا ہے۔ منہاج بک سٹور کا نمائندہ کتب آپ کے ایڈریس پر بھجوا کر آپ کو میسج کر دے گا۔

www.MinhajBooks.com